جولائی ۲۰۰۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

LET US LEAD OUR NON-MUSLIM BROTHERS TO

THE TRUTH

A minority ruling elite has inflicted pain and suffering throughout the world, but the majority of people in the western society are against this torment and are

... in search of the truth

To escort these people to the truth is an immense service to mankind.

Abid Ullah Jan

by writing a book

"THE END OF DEMOCRACY"

has made our way easy. So let's read this book ourselves and also make it available to the people in America, Europe and all over the world who are seeking the truth.

Original Price: $15/- (US) (Rs.870/-)

Discounted Price: **Rs.500/- ONLY**

Available at:

Quran Academy, Khayaban-e-Rahat, Phase-VI, D.H.A., Karachi. ☎ 5340022-3

Quran Academy,36-K, Model Town, Lahore. ☎ 5869501-03

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد: 53
شمارہ: 7
جمادی الاولیٰ 1425ھ
جولائی 2004ء
فی شمارہ 15/-

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مجلس ادارت
حافظ عاکف سعید
سید قاسم محمود
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

- اندرون ملک 150 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 800 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون 03-5869501
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور
فون: 6316638-636638 فیکس: 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

✿ **عرض احوال** ———— 3

حافظ عاکف سعید

✿ **ظروف و احوال** ———— 6

ملکی وملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہار رائے

✿ **مطالعہ قرآن حکیم** ———— 7

اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں ہماری دینی ذمہ داریاں

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **حقیقت دین** ———— 26

اسلام ۔ دین فطرت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

✿ **شب گریزاں ہو گی آخر** ———— 35

مستقبل قریب میں ظہورِ مہدی کا امکان

محمد طفیل گوندل

✿ **منہاج المسلم** (۳۸) ———— 57

o طہارت o قضائے حاجت کے آداب o وضو

علامہ ابوبکر جابر الجزائری

✿ **الدین النصیحۃ** ———— 75

مکتوب بنام جنرل ضیاء الحق مرحوم

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **گوشہ خواتین** ———— 85

تعلیم نسواں، سرسید احمد خان اور علامہ اقبال

محمد موسیٰ بھٹو

✿ **عالم اسلام** ———— 89

ایتھوپیا (حبشہ)

سید قاسم محمود

عرضِ احوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالمی منظر نامہ اور اُمت مسلمہ

آج پوری دنیا میں ابلیسی طاقتوں نے عالم اسلام کے خلاف طبل جنگ بجا دیا ہے۔ دورِ حاضر میں تہذیب وتمدن اور علمی وسائنسی ترقی کے امام امریکہ اور اس کے Allies کے چہروں پر پڑا نقاب اتر چکا ہے اور ان کا بھیانک روپ ع ''چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر'' کے مصداق کھل کر سامنے آ چکا ہے۔

دوسرے لفظوں میں حق و باطل کی وہ کشمکش جس کا آغاز تخلیق آدم کے دور سے ہی ہو گیا تھا جب ابلیس نے حسد اور بغض کی آگ میں جل کر آدم علیہ السلام کو ورغلانے اور راندۂ درگاہ کرنے کی کوشش کی تھی' اب وہ کشمکش اپنے آخری اور Final Phase میں داخل ہو گئی ہے۔

باطل قوتوں کی اصل جنگ مسلمانوں کے اُن طبقات کے ساتھ ہے جو اسلام کو مذہب نہیں دین سمجھتے ہیں۔ جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے سچے وفادار ہیں اور اللہ کی اس زمین پر اللہ کے عطا کردہ نظام اور قانون کو قائم و نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

جبکہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ پورے Globe پر اس کا ابلیسی نظام قائم ہو ـــــ وہ ہر قیمت پر اللہ کے نظام اور اللہ کے وفاداروں کو شکست دینے پر تلا ہوا ہے ـــــ New World Order کا نعرہ تاریخ انسانی کا سب سے بڑا طاغوتی وفرعونی نعرہ ہے ـــــ یہ نعرہ زندگی کے تمام گوشوں میں اللہ کے خلاف کھلی بغاوت کا اعلان ہے۔

سیاسی سطح پر سیکولرزم کا تصور اللہ کی حکمرانی کے خلاف کھلی بغاوت ہے۔

معاشی سطح پر سود اور جوئے پر مبنی معیشت اللہ کو کھلا چیلنج دینے اور اللہ کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہے۔

سماجی طور پر ـــــ شرم وحیا کے پاکیزہ جذبات سے عاری' مادر پدر آزاد تہذیب دراصل فطرتِ انسانی کو مسخ کرنے اور انسان کو مقامِ انسانیت سے محروم کر کے حیوان بنانے کی

ناپاک ترین شیطانی سازش ہے۔

بدقسمتی سے دنیا کی تمام بڑی عالمی طاقتیں بالخصوص امریکہ اور یورپ' جن کے پاس سائنس اور ٹیکنالوجی کی قوت ہے' آج شیطان کی آلۂ کار ہیں ـــــ اور معاشی اعتبار سے دنیا میں شیطان کے سب سے بڑی ایجنٹ یہود کے شکنجے میں ہیں۔ ع

فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!

چنانچہ پورے Globe پر ابلیسی قوتوں کا غلبہ ہے۔ شیطان کو اتنی بڑی کامیابی پوری تاریخ انسانی میں کبھی نہیں ملی ـــــ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث آج لاٹھی بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔ بقول اقبال ع

ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا!

دوسری طرف عالمِ اسلام پر نگاہ ڈالیں تو صورت حال نہایت مایوس کن نظر آتی ہے۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کی پٹائی ہو رہی ہے۔ ہر جگہ مسلمان لاچار' بے بس اور مجبور ہیں۔ فلسطین' کشمیر' بوسنیا' کوسوا' چیچنیا' فلپائن ہر جگہ ریاستی دہشت گردی کے ذریعے مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ افغانستان اور عراق میں امریکی جارحیت کے باعث ہزاروں بے گناہ مسلمان قتل کئے جا چکے ہیں' لاکھوں بے گھر ہو چکے ہیں' ہزار ہا عمارتوں کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا گیا ہے ـــــ

پورا عالم اسلام دم سادھے خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ مسلمان حکمران تو کھلم کھلا ان اسلام دشمن عالمی طاقتوں کے ایجنٹ بنے ہوئے ہیں' مسلمان عوام کی بہت بڑی اکثریت بھی اللہ اور اس کے دین کی وفادار بننے کی بجائے ـــــ شیطانی راستوں پر چلنے اور شیطانی قوتوں کو Support کرنے کا شرمناک کام سرانجام دے رہی ہے۔

ابلیسی قوتوں سے ٹکر لینے کی ہمت کسی میں نہیں ہے ـــــ عالم اسلام میں اگر عالمی شیطانی قوتوں کے خلاف کوئی مزاحمتی تحریک سر اٹھاتی بھی ہے تو یہ عالمی قوتیں مسلمان حکمرانوں اور مسلمانوں میں موجود اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ان کا سر کچل دیتی ہیں ـــــ جس کے ردِعمل کے طور پر کچھ دینی تحریکوں نے بھی دہشت گردی کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ یہ معاملہ اپنی جگہ Debatable ہے کہ کیا اس کا دینی اعتبار سے کوئی جواز ہے یا نہیں ـــــ مگر یہ بات طے شدہ ہے کہ ہم نے قرآن وحدیث اور سنت وسیرتِ رسول ﷺ کی روشنی میں اپنے لئے جو

لائحہ عمل اختیار کیا ہے وہ اس سے یکسر مختلف ہے ـــــ فی الوقت یہ میرا اصل موضوع نہیں ہے ـــــ اس پر تفصیلی بات پھر کبھی ہوگی۔

اب تک کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ فی الوقت حالات نہایت مایوس کن ہیں۔ پورے گلوب پر ابلیسی تہذیب کا تسلط ہے ـــــ ابلیسی قوتیں غالب اور سربلند ہیں' جبکہ مسلمان ذلت و مسکنت کی تصویر بنے ہوئے ہیں ـــــ بے بسی' لاچاری اور محتاجی ان پر مسلط ہے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے امید کی جو کرنیں افغانستان اور پاکستان کے حوالے سے ہمارے دلوں میں روشن تھیں وہ اب ماند پڑنے لگی ہیں ـــــ بالخصوص پاکستان اب ہر اعتبار سے امریکہ کی ایک کالونی بن چکا ہے ـــــ امریکہ ہر معاملے میں پاکستان پر اپنی مرضی ٹھونس رہا ہے' جس کے لئے وہ صدر مشرف اور فوج جیسے اہم ادارے کو استعمال کر رہا ہے ـــــ امریکہ کے دباؤ پر ہم اپنے اہم ترین فوجی مفادات کو ایک ایک کر کے خود اپنے ہاتھ سے قربان کر رہے ہیں ـــــ اور کوئی دیر کی بات ہے ـــــ اگر اللہ کی خصوصی مدد ہمیں حاصل نہ ہوئی تو ہمارے ایٹمی پروگرام اور Nuclear Installations کو امریکہ کسی نہ کسی بہانے کنٹرول میں لے لے گا۔ اس لئے کہ اس کا اصل Target پاکستان کو ایٹمی صلاحیت سے محروم کرنا ہے۔ امریکہ کے آئندہ الیکشن میں مضبوط صدارتی امیدوار جان کیری کی ترجیحات میں یہ سرفہرست ہے۔

یہ تو وہ عالمی منظرنامہ تھا جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہے اور جس کے حوالے سے ہمارے لئے کام بہت مشکل اور Challenging ہے۔

اس منظرنامے کے حوالے سے تین نہایت اہم سوالات ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۱۔ مسلمان اگر آج اس درجے پستی اور اضمحلال کا شکار ہیں تو اس کا اصل سبب کیا ہے۔

۲۔ کیا یہ صورت حال اسی طرح برقرار رہے گی ـــــ تا قیامت؟

۳۔ اہم ترین ـــــ ہمارے لئے موجودہ حالات میں از روئے قرآن اصل لائحہ عمل کیا ہے؟

ان سوالات کے حوالے سے تفصیلی گفتگو ان شاءاللہ آئندہ ماہ ''میثاق'' کے انہی صفحات میں ہوگی۔

ظروف واحوال

مُلکی وملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطاباتِ جمعہ کے آئینہ میں

وانا کی موجودہ صورت حال ہماری غلط پالیسی کا نتیجہ ہے

۱۱ر جون کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

وانا کی موجودہ صورت حال ہماری اس غلط پالیسی کا نتیجہ ہے جب ہم نے امریکہ کی بے انصافی پر سرِتسلیم خم کیا تھا اور بغیر کسی ثبوت کے طالبان حکومت کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا تھا۔ قبائلیوں کو قائداعظم نے ملک وملت کا وفادار قرار دیا تھا لیکن آج ہم اپنے بعض غلط فیصلوں کے باعث ان کے خلاف کارروائی پر مجبور ہیں۔ اگر ہم نے اس معاملے کو قوت کے بل بوتے پر سلجھانے کی کوشش کی تو یہ معاملہ خانہ جنگی پر منتج ہوسکتا ہے۔ ہمیں امریکہ کی ہر بات پر آمنا وصدقنا کہنے کی بجائے عدل وانصاف اور دین واخلاق کے معروف ضابطوں کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے' کیونکہ امریکہ اپنی طاقت کے نشے میں انصاف واخلاق کے ہر ضابطے کو اپنے پاؤں تلے روندنے پر تلا ہوا ہے۔ روس کے خلاف افغانستان میں جب امریکہ کا اپنا مفاد تھا تو یہی مجاہدین اس کے دوست تھے اور آج جبکہ انہوں نے اس کی ہر غلط بات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے تو اس نے انہیں دہشت گرد قرار دے دیا ہے۔

امریکی مہم جوئی کی صورت میں دجالی فتنہ اپنے عروج کو پہنچ چکا ہے۔ ایک حدیث کی رو سے جو شخص دجال کے پانی کو قبول کرے گا وہ حقیقتاً آگ ہوگی جبکہ دجال کی آگ میں حقیقی راحت و ٹھنڈک ہوگی۔ اس اعتبار سے ہمیں صرف تکالیف ومصائب سے بچنے کے لئے ظالم کا ساتھ نہیں دینا چاہئے۔ اگر ہم نے بحیثیت قوم اپنا قبلہ درست نہ کیا اور ہمارے حکمرانوں نے اپنی یہی روش جاری رکھی تو ہمیں جنوبی وزیرستان اور سانحہ کراچی جیسے مزید صدمات جھیلنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

اُسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں ہماری دینی ذمہ داریاں

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

احمدہ واُصلی علی رسولہ الکریم ــــــ اما بعد
اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۲۱) صدق اللہ العظیم
رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی!

سورۃ الاحزاب کے تیسرے رکوع کے درس کی تکمیل کے بعد میں چاہتا ہوں کہ اس نشست میں آپ نبی اکرم ﷺ کے ''اسوۂ حسنہ'' کے بارے میں چند اور باتیں سلسلہ وار ایک' دو' تین کی طرح نوٹ کرلیں اور اپنے ذہن میں بٹھالیں۔

نبی اکرم ﷺ کی اجتماعی جدوجہد کی نوعیت

میں دورانِ درس یہ عرض کر چکا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ اور حیات طیبہ ہر ایک اعتبار سے اسوہ ہے۔ ''اسوہ'' کا اصل مفہوم اتباع اور پیروی ہے۔ لیکن سورۃ الاحزاب کے درس کے دوران آنحضور ﷺ کا جو اُسوہ ہمارے سامنے آتا

ہے' اس کو پیش نظر رکھئے اور پہلے ایک سوال کا جواب آپ خود اپنے طور پر دینے کی کوشش کیجئے کہ آنحضور ﷺ کی جو اجتماعی جدوجہد ہے' وہ کیا ہے؟

آنحضور ﷺ کے بعض کام خالص انفرادی ہیں اور وہ ایسے بھی ہیں کہ ہم ان کا اتباع نہیں کر سکتے ـــــ مثلاً نبی اکرم ﷺ صومِ وصال رکھتے تھے۔ یعنی آپؐ بغیر افطار کے ایک کے بعد دوسرا' پھر تیسرا روزہ بلکہ اس سے بھی زیادہ رکھا کرتے تھے' لیکن آپؐ نے امت کو اس سے روک دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا بھی کہ آپؐ ہمیں کیوں منع فرماتے ہیں؟ ـــــ جواب میں ارشاد ہوا: ((وَاَیُّکُمْ مِثْلِیْ؟)) ''تم میں سے کون ہے جو مجھ جیسا ہو؟'' ((اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ)) (متفق علیہ) ''میں تو اس حال میں رات بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے''۔ معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ کی انفرادی زندگی کے بعض پہلو ایسے ہو سکتے ہیں جن کے لئے ہم اتباع کے مکلف نہیں ہیں ـــــ وہ خصوصیات ہیں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ـــــ حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے لئے یہ ناممکن ہے۔ اس اعتبار سے اوّلیت جس اسوہ کو حاصل ہے' وہ اُسوہ آپ کی اجتماعی زندگی کا نقشہ ہے۔ اس کا ہر ہر قدم واجب الاتباع ہے۔ اسی اعتبار سے یہ فرمایا گیا ہے کہ: ﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ﴾ ـــــ اس لئے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ ذرا اپنے ذہن میں یہ سوال لائیے کہ نبی اکرم ﷺ کی جو اجتماعی جدوجہد ہے' وہ کس نوعیت کے کام سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے! مثلاً ایک نوعیت ہوتی ہے رفاہِ عامہ کے کاموں کی ـــــ لوگ یہ کام کرتے ہیں۔ پھر خدمتِ خلق کے بے شمار میدان ہیں' جن کے لئے انجمنیں بنتی ہیں' ادارے وجود میں آتے ہیں۔

دوسرے کچھ محدود پیمانے کے تبلیغی کام ہوتے ہیں۔ دنیا میں بے شمار مشنریز (Missionaries) ہیں جو تبلیغ کے کام میں مصروف ہیں۔ یہودیوں کی تبلیغ ہے' عیسائیوں کی تبلیغ ہے۔ بدھ مت کے بھکشو ہیں جو تبلیغ کرتے ہیں۔ آریہ سماجی بھی یہ کام

کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک اجتماعی نوعیت کا کام ہے۔ یہ وہ تبلیغ ہے جس میں تلوار کبھی ہاتھ میں نظر نہیں آئے گی ـــــ اس تبلیغ کا معاملہ کبھی جہاد و قتال تک نہیں جائے گا۔ وہ ساری عمر تبلیغ ہی رہے گی اور نسلاً بعد نسلٍ یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

ذہن میں تیسرا خانہ بنایئے تعلیمی اور تحقیقی کام کا ـــــ اس کے لئے بھی انجمنیں بنتی ہیں' ادارے بنتے ہیں ـــــ تعلیم کو عام کرنے کی عملی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ مکتب' اسکول' کالج اور یونیورسٹیاں قائم ہوتی ہیں۔ ریسرچ کے لئے ادارے اور فاؤنڈیشنز قائم ہوتی ہیں جن کے تحت یہ کام ہوتا ہے۔ کسی خاص فکر کو پھیلانے اور promote کرنے کے لئے اکیڈمیاں بنتی ہیں' جیسے ''اقبال اکیڈمی'' جو ڈاکٹر اقبال مرحوم کے فکر کو پھیلانے کے کام میں مصروف ہے۔ سقراط نے بھی ایک اکیڈمی بنائی تھی' جس میں وہ اپنے فکر کے مطابق کچھ ذہین لوگوں کو تیار کرتا تھا۔

چوتھا کام سیاسی نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس کے لئے بھی جماعتیں' جمعیتیں اور پارٹیاں بنتی ہیں' تحریکیں اٹھتی ہیں' سیاسی میدان میں کام ہوتا ہے' الیکشن ہوتے ہیں۔ اس سیاسی کام کی اصل نوعیت عموماً یہ ہوتی ہے کہ جس جگہ جو نظام قائم ہوتا ہے اصولی اعتبار سے اُس سے اختلاف نہیں ہوتا۔ صرف تفصیلات میں اور انتظامی اعتبارات سے ایک جماعت کا منشور (Manifesto) کچھ اور ہوتا ہے اور دوسری جماعت کا کچھ اور۔ مثلاً امریکہ میں ڈیموکریٹس اور ری پبلکن پارٹیاں ہیں' انگلینڈ میں لیبر پارٹی' کنزرویٹو پارٹی اور لبرل پارٹی ہے' تو امریکہ یا انگلستان میں جو بنیادی دستور موجود ہے اور جو نظام رائج ہے یعنی جمہوریت کا نظام' وہ سب پارٹیوں کے نزدیک متفق علیہ ہوتا ہے۔ لیکن تفصیلات میں جا کر چند پالیسیوں کے بارے میں اختلافات ہوتے ہیں اور اس ضمن میں پارٹیوں کے منشور اختلافات کے حامل ہوتے ہیں۔ ہر پارٹی اس اعلان کے ساتھ الیکشن کے میدان میں اترتی ہے کہ اگر ہمیں زیادہ ووٹ ملیں گے اور اقتدار ہمارے ہاتھ میں آ جائے گا تو ہم یہ اور یہ کام کریں گے جس سے ملک اور عوام کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ ہوتی ہے سیاسی کام کی حقیقی نوعیت۔

اسی طرح کئی دیگر نوعیتوں کے کام بھی ہو سکتے ہیں' لیکن آپ ان چار انواع کے کاموں کو ذہن میں رکھ کر اب پانچویں نوعیت کے کام پر غور کیجئے' اور وہ ہے انقلابی کام ـــــ انقلاب یہ ہوتا ہے کہ کسی جگہ پر جو نظام قائم ہے اس کو جڑ سے اکھیڑنا ہے' بنیادی تبدیلی لانی ہے اور پورے نقشے کو بدلنا ہے۔

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
تو می دانی اوّل آں بنیاد را ویراں کنند!

یہ انقلابی کام اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ رائج الوقت نظام کو جڑ اور بنیاد سے اکھیڑ کر اس کی جگہ دوسرا نظام نہ لایا جائے۔

اب ان پانچ انواع کے کاموں کو ذہن میں بٹھا لیجئے: ۱۔ رفاہی کام' ۲۔ تبلیغی کام' ۳۔ تعلیمی' علمی اور تحقیقی کام' ۴۔ سیاسی کام' اور ۵۔ انقلابی کام ـــــ ان میں سے ہر ایک کے اپنے تقاضے اور اپنی connotations ہیں۔ چنانچہ ہر ایک کا نقشہ جدا بنے گا' ہر ایک کے لوازم جدا ہوں گے۔

اب آپ میرے اس سوال کا جواب دیجئے کہ نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ان پانچ کاموں میں سے کس کام سے مشابہت رکھتا ہے؟

کیا اس میں کوئی شک ہے کہ وہ انقلابی کام ہے؟ یعنی نظام کی تبدیلی اور وہ بھی جزوی نہیں' بلکہ پورے نظام کی تبدیلی۔ وہ صرف تبلیغی کام نہیں تھا' صرف علمی کام نہیں تھا' صرف سیاسی کام نہیں تھا' صرف رفاہی کام نہیں تھا ـــــ بلکہ اجتماعی پیمانے پر رفاہی کام تو ہمیں نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے درمیان نظر ہی نہیں آتے۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں اجرائے وحی سے قبل بالکل انفرادی سطح پر خدمتِ خلق اور رفاہِ عامہ کا کام اپنے پورے عروج پر نظر آتا ہے' لیکن نبوت و رسالت کے منصب پر سرفراز ہونے کے بعد حضور ﷺ کی پوری زندگی ایک انقلابی جدوجہد کا نقشہ پیش کرتی ہے ـــــ جزوی نہیں' بلکہ مکمل انقلابی جدوجہد ـــــ گویا ع

نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے!

سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر اپنی متعدد تقاریر میں مَیں اس انقلابی جدوجہد کے نقشے کو اپنی امکانی حد تک بڑی تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ اس موقع پر میں چاہوں گا کہ اختصار کے ساتھ اس جدوجہد کے اہم خصائص اور اصول و مبادی آپ کے سامنے اس طرح پیش کروں کہ آپ ان کو ترتیب وار ذہن نشین کر لیں۔

آنحضور ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے مراحل

اس انقلابی جدوجہد کے ضمن میں آپ کو سیرتِ مطہرہ میں سب سے اوّل اور نمایاں چیز یہ نظر آئے گی کہ یہ ساری جدوجہد خالص انسانی سطح (Human Level) پر کی گئی ہے۔ کسی بھی انقلاب میں جو مراحل آتے ہیں، وہ سب کے سب انقلابِ محمدیؐ میں بھی آئے ـــــ ہر انقلابی دعوت کو تین مراحل سے لازماً سابقہ پیش آتا ہے:

پہلا مرحلہ ہے ''دعوت و تربیت''۔ خالص دینی اصطلاحات کے اعتبار سے یہ بات اس طرح کہی جائے گی کہ ''دعوتِ ایمان اور تزکیہ''۔ یعنی لوگوں کو اللہ کی آیات سنانا اور قبول کرنے والوں کا تزکیہ کرنا۔ از روئے الفاظ قرآنی ﴿یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ﴾ (البقرۃ:۱۵۱) عام دُنیوی لحاظ سے اس کی تشریح یوں ہوگی کہ کوئی انقلابی فکر، کوئی نظریہ، کوئی فلسفہ اور کوئی نقطۂ نظر ہوگا، اس کو پہلے پھیلایا جائے گا۔ جو اس دعوت کو قبول کریں گے تو اس دعوت کے اعتبار سے پھر ان کی تربیت کی جائے گی۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو!

پختہ ہوئے بغیر کام نہیں چلے گا۔ البتہ واضح رہے کہ انقلابی کارکنوں کی تربیت دعوت کے لحاظ سے ہوگی ـــــ مثلاً جو لوگ کمیونزم کے نظریئے کو قبول کر لیں گے، ان کی تربیت کے لئے کوئی اور نظام ہوگا ـــــ اس میں یہ نہیں ہوگا کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ ادا کرو، حج کرو اور اپنے تمام معاملات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات و

احکام کے تابع رکھو۔ نہ اس میں یہ ہوگا کہ اپنی نظر اور دل کو پاک صاف رکھو۔ کھلی آزادی ہوگی کہ جس طرح چاہو اپنی تسکینِ ہوس کا سامان کرلو۔ جاؤ عیش کرو' شادی کا کیا سوال ہے' اس کے بغیر بھی جنسی ضرورت کو کامریڈ مَرد اور کامریڈ عورتیں مل جل کر پوری کریں۔ ان کی تربیت میں طبقاتی نفرت وعداوت پیدا کی جائے گی۔ مزدور اور سرمایہ دار کا امتیاز اجاگر کر کے ان کو آپس میں لڑانے کی سبیل پیدا کی جائے گی۔ ان کو تخریب کاری کی ٹریننگ دی جائے گی۔ تربیت کا نظام ہر انقلابی دعوت میں ہوتا ہے لیکن اس کا حدود اربعہ مختلف ہوتا ہے' اس کے صغریٰ کبریٰ اور متعلقات جدا ہوتے ہیں۔ وہ اس نقطۂ نظر کے مطابق ہوں گے کہ اصل کام کیا کرنا ہے اور کونسا انقلاب لانا پیش نظر ہے۔ سوشلسٹ انقلاب برپا کرنا ہے تو اس کی تربیت کی نوعیت وہ ہوگی جس کا میں نے ابھی ذکر کیا۔ اسلامی انقلاب لانا ہے تو اس کی تربیت کی نوعیت دوسرے انقلابات کی تربیت کے معاملے میں بالکل جداگانہ نوعیت کی ہوگی۔ اس میں اللہ پر' توحید کے التزام اور شرک سے اجتناب کے ساتھ' ایمان لانا ہوگا۔ اس میں یوم آخرت پر' اس کی کل جزئیات کے ساتھ' ایمان لانا ہوگا۔ اس میں رسالت پر' اطاعت ومحبت کلی کے ساتھ' ایمان لانا ہوگا۔۔۔۔ بہرحال ''دعوت اور تربیت'' ان دونوں الفاظ کو ایک جوڑے کی حیثیت سے بریکٹ کر لیجئے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ دونوں کام کئے اور بھرپور طریقے پر کئے۔

دوسرا مرحلہ ہے ''تنظیم''۔۔۔ اور اسی کے ساتھ جڑا ہوا لفظ ہے ''ہجرت''۔۔۔ یعنی آپس میں جڑو اور دوسروں سے کٹو۔ اگر کسی سے کٹو گے تو کسی سے جڑو گے بھی۔۔۔ جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے جڑو گے تو ظاہر ہے کہ اپنے گھر والوں سے کٹو گے۔ سیدھی سادھی بات ہے' اس میں کوئی الجھاؤ نہیں۔ یہاں یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ دونوں رشتے ساتھ چل سکیں۔ یہاں credit ہوگا تو debit بھی ہوگا۔ اگر کسی سے کٹنے کو تیار نہیں تو پھر کسی اور سے جڑ بھی نہیں سکتے۔ چنانچہ آپ ان دو الفاظ تنظیم اور ہجرت کو اپنے ذہن میں یکجا کر لیجئے۔

تیسرا مرحلہ ہے جہاد اور قتال ـــــ جہاد کو میں یہاں Passive Resistance کے معنی میں لے رہا ہوں۔ جدوجہد ہے' دعوت وتبلیغ ہے' مشرکانہ عقائد پر تنقید ہے۔ اس کے ردِّعمل میں مشرکین کی طرف سے جور وستم ہے' ایذا رسانی ہے' تعدّی ہے' مصائب ہیں ـــ لیکن ابھی ہاتھ نہیں اٹھ رہا۔ حکم ہے کہ ماریں کھاؤ مگر مدافعت میں بھی اپنا ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جائے تو بھی برداشت کرو اور جھیلو۔ تمہیں تپتی ہوئی زمین پر اس حال میں لٹا دیا جائے کہ اوپر سے مکہ جیسے گرم علاقے کا سورج آگ برسا رہا ہو' پھر تمہارے سینے پر پتھر کی سل رکھ دی جائے' تمہاری ٹانگوں میں رسی باندھ کر کھینچا جائے' تو بھی جھیلو اور برداشت کرو' retaliate نہیں کر سکتے۔ میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ ایسے حالات میں اگر آدمی desperate ہو جائے' اپنی جان سے ناامید ہو کر مشتعل ہو جائے تو ایک آدمی دس کو مار کر مرے گا۔ لیکن نہیں! ـــــ کیا حضرت یاسر ؓ کسی کو نہ مار سکتے تھے جب ان کی نگاہوں کے سامنے ان کی اہلیہ محترمہ سمیہ (رضی اللہ عنہا) کو ابوجہل نے اس طرح برچھی ماری کہ پشت کے پار ہو گئی! پھر وہ خود یعنی حضرت یاسر ؓ کس طرح مظلومانہ اور بہیمانہ طور پر شہید ہو گئے' لیکن اُف تک نہ کی ـــــ اس لئے کہ ایمان لانے کی وجہ سے اس خاندان پر ظلم وستم کے پہاڑ بہت پہلے سے توڑے جا رہے تھے اور جب کسی ایسے موقع پر نبی اکرم ﷺ کا گزر ہوتا تو آپ ؐ فرماتے: اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرَ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ ''اے یاسرؓ کے گھر والو! صبر کرو' تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔'' گویا انہیں شہادت اور جنت کی خوش خبری پیشگی دے دی گئی تھی ـــــ حضرت خباب بن ارت ؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا گیا۔ اوپر نگرانی کے لئے آدمی کھڑا ہوا ہے۔ حکم ہے جھیلو! پیٹھ کی چربی پگھلتی ہے اور آگ سرد پڑ جاتی ہے۔

پھر خود رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدسؐ پر کیا کچھ ستم روا نہیں رکھا گیا۔ آپ ؐ کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں جس سے آپ کے پاؤں مبارک زخمی ہو جاتے ہیں۔ یہ کام رات کے اندھیرے میں کیا جاتا ہے' کیونکہ آپ ؐ علی الصبح تاروں کی چھاؤں میں

نماز کے لئے باہر نکلا کرتے تھے۔ آپؐ کے مکان میں گندگی پھینکنے کو معمول بنا لیا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں کام کرنے والے کون ہوتے ہیں! ـــــ آپؐ کے پڑوسی اور رشتے میں آپؐ کے سگے چچا اور چچی یعنی ابولہب اور اُس کی بیوی اُمِ جمیل ـــــ چادر گردن میں ڈال کر اسے اس طرح بل دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں اُبل پڑتی ہیں ـــ سجدے کی حالت میں رحمۃ للعالمین ﷺ کے مقدس کاندھوں پر اونٹ کی نجاست بھری اوجھری رکھ دی جاتی ہے۔ تمسخر، استہزاء، طعن و تشنیع اور فقرے چست کرنا روز کا معمول بن جاتا ہے۔ قلب مبارک پر جو بیتتی ہوگی، وہ بیتتی ہوگی، مؤمنین صادقین کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی کہ ان کے پیارے اور محبوب رسول اللہ ﷺ پر کتنے مصائب ڈھائے اور ستم توڑے جا رہے ہیں! مگر وہ ہاتھ نہیں اٹھا سکتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ کو حکم تھا کہ جھیلو، برداشت کرو، صبر کرو ـــــ اور آپ ﷺ کی وساطت سے یہی حکم تمام اہل ایمان کے لئے تھا۔

اس سے اگلا مرحلہ قتال کا ہے۔ جب دعوت منظم ہو جاتی ہے اور یثرب کو دارالہجرۃ بننے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مدینۃ النبیؐ بن جاتا ہے اور مسلمان بالفعل ہجرت یعنی ترکِ وطن کر کے وہاں جمع ہو جاتے ہیں تو ایک Base مہیا ہو جاتی ہے اور ایک چھوٹی سی شہری اسلامی ریاست قائم ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر قتال کا مرحلہ آتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج میں بایں الفاظ قتال کی اجازت مل جاتی ہے:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ﴾

''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں، اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔''

سورۃ النساء میں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جب ان سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ تو کہتے تھے کہ ہمیں بھی جنگ کی اجازت ہونی چاہئے، ہم بھی لڑیں، ہم یہ کر دیں گے، وہ کر دیں گے۔ اب جبکہ لڑائی کا حکم آ گیا ہے تو لڑائی بڑی دشوار معلوم ہوتی ہے۔ تو وہاں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

﴿ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ﴾ (آیت ۷۷)

''اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں ایک فریق ایسا بھی ہے کہ (جس کا دل ڈول رہا ہے اور) وہ انسانوں سے اس طرح ڈر رہا ہے کہ جیسے اللہ سے ڈرنا چاہئے' بلکہ کچھ اس سے بھی بڑھ کر''۔

کسی انقلابی دعوت کے مذکورہ بالا تین مراحل ہوتے ہیں۔ مرحلے تین ہیں لیکن الفاظ چھ ہیں۔ گویا ہر مرحلے کے دو پہلو ہوتے ہیں ـــــ پہلا مرحلہ ہے دعوت و تربیت۔ دوسرا مرحلہ ہے تنظیم و ہجرت اور تیسرا اور آخری مرحلہ ہے جہاد و قتال۔ ان مراحل سے گزرے بغیر دنیا میں کبھی کوئی انقلاب نہیں آیا ہے ـــــ عیسائی طرز کی تبلیغ ہو سکتی ہے۔ تبلیغ کا کام آپ بھی کیجئے' کرتے چلے جایئے۔ اس سے اگلا مرحلہ نہیں آئے گا۔ وہی کام نسلاً بعد نسلٍ ہوتا رہے گا۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کا کام اگر آپ دیکھیں گے تو وہ نہ رفاہی کام ہے' نہ تبلیغی کام' نہ تعلیمی و علمی کام ـــــ یہ سارے کام اس انقلابی کام میں جزو کی حیثیت سے تو شامل ہیں' لیکن کل کام خالصتاً انقلابی کام کے مشابہ ہے ـــــ پھر یہ انقلابی جدوجہد مکمل اور بھرپور انقلابی جدوجہد ہے۔ نیز یہ پوری انقلابی جدوجہد انسانی سطح (Human Level) پر ہوئی ہے۔

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار!

تین سال کی قید شعب بنی ہاشم ہے ـــــ جس میں ایسا وقت بھی آیا ہے کہ کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ گھاٹی کی جھاڑیوں کے پتے سب کے سب کھا لئے گئے تھے اور بھوک اور پیاس کے مارے بنی ہاشم کے بچوں کی زبانیں خشک ہو گئی تھیں' جن کو تر رکھنے کے لئے سوکھے چمڑے ابال ابال کر ان کے حلق میں بوندیں ٹپکائی جاتی تھیں۔ بنی ہاشم کا پورا قبیلہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہی اس گھاٹی میں قید کر دیا گیا تھا ـــــ اور ع ''رسوا سرِ بازارے آں شوخ ستمگارے'' کا نقشہ دیکھنا ہو تو وہ یوم طائف دیکھ لیجئے کہ جہاں ایک دن میں وہ کچھ بیت گیا جو مکہ میں دس سال میں نہیں بیتا تھا۔ طائف کے سرداروں

نے دعوتِ حق اور دعوتِ توحید کو حقارت اور استہزاء کے انداز میں ٹھکرا دیا اور آپ ﷺ سے جو کچھ انہوں نے کہا اس کو سننے کے لئے بھی بڑے جگرے کی ضرورت ہے۔ نقل کفر کفر نہ باشد ـــــ ایک سردار نے کہا کہ ''اللہ کو تم جیسے مفلس و قلاش کے سوا رسول بنانے کے لئے کوئی اور نہیں ملا؟ اس طرح تو وہ گویا خود کعبے کے غلاف کو چاک کر رہا ہے''۔ ایک سردار نے کہا کہ ''میں تم سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں' اس لئے کہ اگر تم سچے ہو اور واقعتاً رسول ہو تو ہو سکتا ہے کہ میں کہیں توہین کا مرتکب ہو جاؤں اور عذابِ الٰہی کا نوالہ بن جاؤں' اور اگر تم جھوٹے ہو تو کسی جھوٹے سے کلام کرنا میری شان کے خلاف ہے۔'' ایسے ہی اور جملے ان سرداروں میں سے ہر ایک نے کہے۔ پھر صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب نبی اکرم ﷺ بظاہر احوال مایوس ہو کر لوٹنے لگے تو کچھ غنڈوں کو اشارہ کر دیا۔ اوباش لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر وہ نقشہ جما ہے کہ جس پر آسمان و زمین لرز گئے ہوں تو کوئی تعجب نہیں۔ ان اوباشوں نے محبوبِ ربّ العالمین سیّد الاولین و الآخرین ﷺ پر پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ تاک تاک کر ٹخنے کی ہڈیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے' تالیاں پیٹی جا رہی ہیں۔ حضور ﷺ کا جسدِ اطہر لہولہان ہو گیا ہے۔ نعلین شریف خون سے بھر گئی ہیں اور پیر جم گئے ہیں۔ ایک موقع پر آپ ﷺ ضعف کے مارے ذرا بیٹھ گئے ہیں تو دو غنڈے آگے بڑھتے ہیں اور بغلوں میں ہاتھ ڈال کر آپ کو کھڑا کر دیتے ہیں کہ چلو ـــــ رسول اللہ ﷺ پر ذاتی اعتبار سے ابتلاء اور امتحان کا یہ نقطۂ عروج (Climax) ہے۔ شہر سے باہر آ کر آپ ﷺ ایک پتھر سے ٹیک لگا کر تشریف رکھتے ہیں اور اس موقع پر وہ دعا آپ کی زبانِ مبارک سے نکلتی ہے کہ جس کو پڑھتے' سنتے اور سناتے وقت کلیجہ شق ہوتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ

''اے اللہ! کہاں جاؤں' کہاں فریاد کروں' تیری ہی جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں' اپنی قوت کی کمی اور اپنے وسائل و ذرائع کی کمی کی ـــــ اور لوگوں میں جو رسوائی ہو رہی ہے' اس کی''۔

اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ؟ اِلٰی بَعِیْدٍ یَجْھَمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَ اَمْرِیْ؟

''اے اللہ! تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا تو نے میرا معاملہ دشمنوں کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ جو چاہیں میرے ساتھ کر گزریں؟''

اِنْ لَّمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبُکَ فَلَا اُبَالِیْ!

''پروردگار! اگر تیری رضا یہی ہے اور اگر تو ناراض نہیں ہے تو پھر میں بھی راضی ہوں' مجھے اس تشدد کی کوئی پروا نہیں ہے۔'' (ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے!)

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ

''اے ربّ! میں تیرے روئے انور کی ضیاء کی پناہ میں آتا ہوں جس سے ظلمات بھی منور ہو جاتے ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یومِ اُحد کے بعد نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ ''یا رسول اللہ! کیا اس سے زیادہ سخت دن بھی آپ کی زندگی میں آیا ہے؟'' تو آپؐ نے جواب میں فرمایا تھا: ''ہاں! یومِ طائف میری زندگی کا سب سے زیادہ سخت دن تھا'' ——— یہ تمام مصائب و مشکلات کے ادوار نبی اکرم ﷺ پر بھی آئے اور صحابہ کرام ؓ پر بھی ——— اس میں ایک نکتے کی بات ہے' اس پر غور کیجئے۔ وہ یہ کہ ہمارا صغریٰ کبریٰ یہ ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ سیّدِ وُلدِ آدم اور محبوبِ ربّ العالمین ہیں۔ دوسری طرف آپ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو اپنی انقلابی جدوجہد میں بدترین مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان دونوں کو جوڑیئے۔ کیا اللہ اس پر قادر نہ تھا کہ انقلاب بھی آ جاتا اور محمد ﷺ کے پاؤں میں کانٹا بھی نہ چبھتا؟۔ یہ ہو سکتا تھا' لیکن ہوا نہیں! سوچئے کیوں نہیں ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہو گیا ہوتا تو مجھ پر اور آپ پر حجت قائم نہ ہوتی۔ انقلاب صرف عرب میں لانا مقصود نہیں تھا' اسے پوری دنیا میں لانا تھا اور وہ انسانوں کے ہاتھوں آنا تھا۔ معجزے تو رسولوں کے لئے ہیں' عام انسانوں کے لئے تو نہیں ہیں۔ آگے جو کام کرنا تھا' اس کے لئے اُسوہ کیسے بنتا اگر محمد

رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی ہوتی ؟ــــ

اس لفظ اُسوہ کو یہاں سمجھئے۔ اللہ کر سکتا تھا' لیکن اس نے نہیں کیا ــــ اس کا حکم تو یہی تھا کہ ''اے محمدؐ! جھیلو' برداشت کرو'' ــــ اللہ کی شان بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ اس لئے صرف بطورِ تفہیم بہت ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں کہ اگر ہم اپنے احساسات پر قیاس کریں تو کیا بیتی ہوگی اللہ پر! جب طائف میں اس کا محبوب پتھروں کی زد میں تھا۔ جب تالیاں پٹ رہی تھیں ــــ لیکن اُس کا فیصلہ یہی تھا کہ اے محمدؐ! صبر کرو' جھیلو' برداشت کرو۔ وہی بات جو آنجناب ﷺ اپنے صحابہ ؓ سے کہہ رہے ہیں۔ جیسا کہ آلِ یاسر پر ظلم وستم کے واقعے کے دوران ذکر ہوا۔ اسی طرح مکی دور میں مصائب و شدائد' ایذا رسانی' جور وتعدی اور طنز واستہزاء کے مختلف مواقع پر رسول اللہ ﷺ کو بھی وحی الٰہی کے ذریعے یہ ہدایات مل رہی ہیں کہ: ﴿وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ﴾ ــــ ﴿فَاصْبِرْ صَبْراً جَمِیْلاً﴾ ــــ ﴿فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ﴾ ــــ مختلف اسالیب سے صبر کی ہدایت اور تلقین ہو رہی ہے: ﴿فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ ''جیسے ہمارے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے ویسے آپ بھی صبر کیجئے۔'' ــــ ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾ ''صبر کیجئے اور آپ کا سہارا بس اللہ ہی ہے''۔ یعنی صبر کے لئے بھی کوئی سہارا چاہئے تو آپ کا سہارا ہم خود ہیں ــــ ﴿فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ﴾ ــــ ''پس صبر کیجئے اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور کہیں مچھلی والے کی طرح جلدی نہ کر لیجئے گا'' ــــ ﴿وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ ''اور صبر کیجئے' اللہ محسنین یعنی خوب کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔

یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اس کو جانئے اور سمجھئے۔ یہ اس لئے ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ﷺ کو ہمارے لئے اسوہ بننا تھا۔ یہ سب کچھ نہ ہوتا تو آپؐ کی ذاتِ گرامی ہمارے لئے اُسوہ کیسے بنتی! ــــ یہ مجھ پر حجت ہے' آپ پر حجت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جو کچھ کیا' وہ خالص انسانی سطح (Human Level) پر کیا ہے' سارے دکھ اٹھا کر کیا ہے' فاقے جھیل کر کیا ہے' پتھراؤ برداشت کر کے کیا ہے' قید و بند کی

تکالیف اٹھا کر کیا ہے' اپنے دندانِ مبارک شہید کروا کر کیا ہے' اپنے عزیزوں اور جاں نثاروں کے لاشے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کیا ہے' پیٹ پر ایک نہیں دو دو پتھر باندھ کر کیا ہے—— یہ سارے مصائب جھیلے ہیں' تب انقلاب بپا ہوا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا سب سے زیادہ نمایاں اُسوہ کیا ہوا؟ یہ ساری گفتگو ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ کے تحت ہو رہی ہے۔ اس اعتبار سے پہلا اُسوہ تو یہ ہوا کہ بحیثیت مجموعی نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد خالصتاً انقلابی جدوجہد کے مشابہ ہے۔ جبکہ دوسرا اُسوہ یہ ہے کہ یہ ساری جدوجہد انسانی سطح (Human Level) پر قدم بقدم مصائب و تکالیف' جور و تعدی اور ظلم و ستم جھیل کر ہوئی ہے۔

نصرتِ الٰہی کا ظہور

اس موقع پر مبادا کوئی اشکال پیدا ہو جائے یا مغالطہ لاحق ہو جائے' لہٰذا عرض کر دوں کہ اس میں شک نہیں کہ اس جدوجہد میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید بھی آئی ہے۔ اور اس نصرت و تائید کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی!

لیکن یہ نصرت و تائید کب آئی ہے؟ یہ اُس وقت آئی ہے جب مؤمنین صادقین جو کچھ کر سکتے تھے وہ سب کر گزرے۔ اس سے پہلے نصرتِ الٰہی نہیں آیا کرتی۔ اس نصرت کی لازمی شرط یہ ہے کہ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝﴾ (سورۃ محمد: ۷) ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔'' غزوۂ بدر کے موقع پر جنگ سے ایک رات قبل نبی اکرم ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ ''اے اللہ! میں نے پندرہ برس کی کمائی لا کر میدان میں ڈال دی ہے۔ اگر کل یہ شہید ہو گئے تو دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا' اس لئے کہ میں آخری رسول ہوں اور میری پندرہ برس کی کمائی یہ ہے کہ جو دین کی سربلندی کے لئے میں نے میدان میں لا ڈالی ہے——'' چنانچہ بدر کے معرکہ میں اللہ کی نصرت آئی

اور ۳۱۳ بے سروسامان مؤمنین صادقین کے ہاتھوں کیل کانٹے سے لیس ایک ہزار لشکر کو شکست نصیب ہوئی ـــــ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ بچ بچ کر اور تحفظ کا خیال رکھ رکھ کر اور اپنی جیبوں کو سکیڑ سکیڑ کر رکھنے کے ساتھ ہم یہ امید رکھیں کہ اللہ کی تائید و نصرت ہمیں حاصل ہو جائے تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اپنے حلوے مانڈے میں ہم کوئی کمی کرنے کے لئے آمادہ نہیں' کاروبار میں سود شامل ہے تو اس کو چھوڑنے کے لئے ہم تیار نہیں' کیونکہ اس طرح تو کاروبار سمٹ اور سکڑ جائے گا۔ دین کے کام کے لئے وقت لگائیں تو پھر ہمارا یہ معیار اور status کیسے برقرار رہے گا! ہم تو بچ بچ کر آرام سے گھروں میں بیٹھے رہیں اور یہ چاہیں کہ اللہ اپنی نصرت و تائید لئے ہمارے پیچھے پیچھے آئے کہ لیجئے میری نصرت و تائید قبول فرمالیجئے' تو یہ ہونے والی بات نہیں ہے۔ ع ایں خیال است و محال است و جنوں!۔ یہ نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ محبوبِ ربّ العالمین ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ نہیں ہوا تو ہمارے سر پر کون سا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے کہ ہمارے ساتھ یہ معاملہ ہو جائے گا؟ کبھی نہیں ہوسکتا! ہوتا تو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہوتا۔ اس معاملے میں استثناء (Exception) اگر ہوتا تو اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ آپ ﷺ ہی ہو سکتے تھے۔

نصرت و تائید کے ضمن میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ یومِ طائف کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے جو دعا کی تھی اس کے بارے میں یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ع اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید ـــــ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ فوراً ملک الجبال یعنی وہ فرشتہ جو پہاڑوں کی دیکھ بھال کے لئے مامور ہے حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ ''حضور! اللہ نے مجھے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو میں ان پہاڑوں کو ٹکرا دوں جن کے مابین وادی میں طائف کا شہر واقع ہے تاکہ اس کے رہنے والے پس کر سرمہ بن جائیں'' ـــــ اس پر رحمۃ للعالمین ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''میں لوگوں کے عذاب کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ اگرچہ یہ لوگ مجھ پر ایمان نہیں لائے لیکن کیا عجب کہ ان کی آئندہ نسلوں کو اللہ تعالیٰ ایمان کی توفیق عطا فرمائے!'' ـــــ دیکھ لیجئے کہ جس موقع پر

غیبی نصرت بھیجی گئی وہ کون سا موقع تھا؟ یہ وہ موقع تھا کہ جس سے سخت دن خود حضور ﷺ کے بقول آپؐ کی زندگی میں کوئی اور نہیں گزرا ـــــ اس سے پہلے بھی خفی غیبی امداد و نصرت ہوئی ہے۔ لیکن نصرتِ الٰہی کا اصل ظہور ہوتا ہے یوم طائف کے بعد۔ چنانچہ فوری طور پر تو ملک الجبال کی حاضری ہے۔ لیکن اب ٹھنڈی ہوائیں یثرب کی طرف سے آنے لگیں۔ آپ ﷺ تو مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے لیکن نصرت وحکمتِ الٰہی نے مدینہ منورہ کی طرف سے کھڑکی کھول دی ـــــ یوم طائف کے سلسلہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے اپنی کتاب ''النبی الخاتم ﷺ'' میں بہت ہی عمدہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے کہ ''یوم طائف نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا Turning Piont تھا۔ اُس دن تک اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیؐ کو دشمن کے حوالے کیا ہوا تھا کہ جس طرح چاہو ہمارے رسولؐ کے صبر کا امتحان لے لو، جس طرح چاہو ان کی استقامت کو جانچ پرکھ لو، ہمارے رسولؐ کی سیرت و کردار کو خوب ٹھونک بجا کر دیکھ لو ـــــ اُس دن کے بعد نبی اکرم ﷺ کے لئے خصوصی نصرت اور تائید کا ظہور شروع ہوتا ہے۔''

آنحضور ﷺ کی اجتماعی جدوجہد میں قرآن کا مقام

اب میں سیرتِ مطہرہ اور خاص طور سے اس اسوۂ حسنہ کے ان تین مراحل کے اعتبار سے ایک تجزیہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جن کا میں نے آغاز میں ذکر کیا تھا ـــــ اس کے بعد میں نے اُسوۂ حسنہ کے ضمن میں دو باتیں بحیثیت مجموعی بیان کی ہیں کہ محض آرزو یا مرثیہ پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا ـــــ دین کا دل میں درد ہے تو ہمیں اُسوۂ حسنہ کے مطابق انقلابی جدوجہد کرنا ہوگی۔ ہمیں مرثیہ پڑھنا اور رونا بہت آتا ہے۔ لیکن اگر یہ رونا نبی اکرم ﷺ کے اجتماعی اُسوۂ حسنہ کے ساتھ ہو تو یہ سونا ہے، اس کے مطابق عمل نہیں ہے تو یہ ٹسوے ہیں، جو عورتیں بہایا کرتی ہیں، جن کی دنیا میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

اب ذرا ان تین اجزاء کو لیجئے، جن کو میں نے دو دو لفظوں کے جوڑوں کے ساتھ تین مراحل کے عنوانات کے تحت آپ کے سامنے پیش کیا تھا۔

سب سے پہلی بات یہ کہ ''دعوت وتربیت'' کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کا اُسوہ یہ ہے کہ ان دونوں کاموں کا مرکز' مبنیٰ' مدار اور محور قرآن اور صرف قرآن رہا ہے۔آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں کو ایمان کی دعوت دو قرآن کے ذریعے ـــ تذکیر کرو قرآن کے ذریعے ـــ انذار کرو قرآن کے ذریعے ـــ تبشیر کرو قرآن کے ذریعے ـــ نصیحت اور موعظت کرو قرآن کے ذریعے ـــ بحث و مباحثہ اور جدال ومحاجہ کرو اس قرآن کے ذریعے ـــ تبلیغ کرو قرآن کی ـــ! دعوت کی مختلف سطحوں کے لئے یہی الفاظ آتے ہیں۔

اب ذرا ان الفاظ کے مطابق وہ ہدایاتِ الٰہی سنئے جو قرآن حکیم میں نازل ہوئی ہیں ـــ فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ۞﴾ (ق:۴۵) پس یاددہانی کراؤ بذریعہ قرآن ہر اُس شخص کو جو میری پکڑ اور سزا سے ڈرتا ہو'' ـــ ﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ﴾ (الانعام:۱۹) ''اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں بھی خبردار کردوں اور اُن کو بھی جن کو یہ (قرآن) پہنچے'' ـــ ﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ۞﴾ (مریم:۹۷) ''پس (اے نبیؐ) ہم نے اس کتاب کو آپؐ کی زبان میں اس لئے آسان بنایا ہے کہ آپؐ اس کے ذریعے خداترسوں کو بشارت پہنچا دیں اور جھگڑالو قوم کو اس کے بُرے انجام سے آگاہ اور خبردار کر دیں'' ـــ اس آیت میں خاص بات نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ لِتُبَشِّرَ کے ساتھ بھی ''بِہٖ'' اور ''تُنْذِرَ'' کے ساتھ بھی ''بِـــہٖ'' آیا ہے ـــ یعنی دونوں کام بشارت وانذار اسی کتاب ''قرآن'' کے ذریعے ہوں گے ـــ مزید فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ﴾ (المائدۃ:۶۷) ''اے ہمارے رسول! پہنچایئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپؐ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے'' ـــ تبلیغ کس کی؟ قرآن کی! ﴿إِنَّ هَـٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۞﴾ (بنی اسرائیل:۹) ''بے شک یہ قرآن اس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو

بالکل سیدھا ہے اور بشارت دیتا ہے ان اہل ایمان کو جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے''۔ بشارت دینے والا کون؟ قرآن!—— اس انداز اور تبشیر بالقرآن کا ذکر سورۃ الکہف کے آغاز ہی میں بڑے مہتم بالشان انداز میں ہوا۔ فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ﴾

''شکر اور تعریف کے لائق ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں اس نے کوئی کجی نہیں رکھی۔ بالکل سیدھی اور ہموار و استوار تاکہ وہ لوگوں کو اپنی جانب سے ایک سخت عذاب سے آگاہ کر دے اور ایمان لانے والوں کو، جو نیک عمل کر رہے ہیں، اس بات کی خوشخبری سنا دے کہ ان کے لئے بہت اچھا اجر ہے''۔

میں نے جو آیات آپ کو سنائیں ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ:

دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مرکز و محور اور مبنیٰ و مدار صرف اور صرف قرآن ہے۔ انذار ہو یا تبشیر، تبلیغ ہو یا تذکیر، مباحثہ ہو یا مجادلہ، موعظہ ہو یا نصیحت، یہ تمام کام صرف قرآن مجید ہی کے ذریعے سرانجام دیئے جائیں گے۔

''دعوت'' کا لفظ ہمارے دین کی غالباً سب سے جامع اصطلاح ہے، جس کے لئے سورۃ النحل کی آیت ۱۲۵ سے استشہاد کیا جا سکتا ہے، جس میں دعوت کے ضمن میں یہ جامع و مانع ہدایت دی گئی ہے کہ: ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ﴾ ''(اے نبیؐ!) دعوت دو اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ و مجادلہ کرو اس طور سے جو نہایت ہی عمدہ ہو''۔ یہ ہے اسوہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا—— سیرتِ مطہرہ میں آپ کو یہ بات نہیں ملے گی کہ کہیں نبی اکرم ﷺ نے طویل تقریر و خطاب فرمایا ہو۔ جہاں تشریف لے گئے تو یہی فرمایا کہ ''لوگو! میرے اوپر اللہ کی طرف سے

ایک کلام نازل ہوا ہے اسے سن لو!''—— معلوم ہوا کہ فلاں وادی میں کوئی قافلہ آ کر اترا ہے تو وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا تو یہ فرمایا کہ ''لوگو! میرے پاس اللہ کا اتارا ہوا کلام ہے' وہ میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں''۔ مجمعوں میں آپ قرآن پڑھ پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ ہمیں تو قرآن کا ترجمہ کر کے اس کا مطلب اور مفہوم سمجھانا پڑتا ہے' جبکہ وہاں معاملہ یہ تھا کہ از دِل خیزد بر دِل ریزد۔ وہاں تو حال یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے قرآن سنا اور سعید روح کے قلب و ذہن اور رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن اور محض قرآن سن کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ عمر بن الخطاب کو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس نے بنایا؟ قرآن نے! یہ سورۂ طٰہٰ کی معجز نمائی تھی جس نے عمرؓ کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا—— ع دگرگوں کرد تقدیر عمر را!

ابوذر غفاریؓ جو ڈکیتی کا پیشہ رکھنے والے ایک قبیلے کے فرد تھے' انہیں اس مقام تک کس نے پہنچایا کہ ع ''رہزنان از حفظِ اُو رہبر شدند!'' جن کے متعلق نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ ''جس نے زہدِ عیسیٰ علیہ السلام دیکھنا ہو تو وہ میرے ساتھی ابوذرؓ کو دیکھ لے!''۔ لبیدؓ شعرائے سبعہ معلقہ کے سلسلے کے آخری شاعر ہیں' ان کے ایک شعر پر سوقِ عکاظ میں تمام شعرائے وقت نے ان کو سجدہ کیا تھا—— وہ ایمان لے آئے تو قرآن کے ذریعے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ اب شعر نہیں کہتے؟ تو جواب ملا: أَبَعْدَ الْقُرْآن؟ یعنی قرآن کے نزول کے بعد میری کیا مجال کہ میں شاعری کے میدان میں طبع آزمائی کروں—— طفیلؓ دوسی یمن کے رہنے والے قادر الکلام شاعر تھے۔ جب مکہ آئے تو قریش کے بہکانے پر کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ مبادا کانوں میں کلام اللہ پڑ جائے۔ لیکن ایک دن خود ہی رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن سننے کی فرمائش کرتے ہیں اور جیسے ہی کچھ حصہ سنتے ہیں' بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ یہ کسی انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا' بے شک یہ وحی الٰہی ہے—— اور اُسی وقت مسلمان ہو جاتے ہیں—— الغرض اس کتابِ ہدایت کے طفیل' جو رہزن تھے وہ رہبر بن

گئے' جو اُمّی تھے' اَن پڑھ تھے وہ دنیا کے لئے معلم بن گئے' جو زانی و شرابی تھے' وہ عصمتوں کے محافظ اور مکارمِ اخلاق کے علمبردار بن گئے۔ یہ سب کچھ قرآن کی معجزنمائی تھی۔

میری اس گفتگو کا نتیجہ بھی یہ نکلا کہ دعوت و انقلابِ نبوی کا اساسی منہج عمل پورے کا پورا قرآن مجید کے گرد گھومتا ہے ـــــ یا سادہ الفاظ میں یوں کہہ لیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ کا آلۂ انقلاب ہے قرآن حکیم! اس بات کو مولانا حالی مرحوم نے تو نہایت سادہ اور سلیس الفاظ میں یوں بیان کیا کہ ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا — اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا!
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادیؐ — عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی!

اور علامہ اقبال مرحوم نے اسی بات کو یوں الفاظ کا جامہ پہنایا ؎

در شبستانِ حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید!

پھر علامہ مرحوم نے حد درجہ پُرشکوہ الفاظ میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے کہ:

گر تو می خواہی مسلمان زیستن — نیست ممکن جز بقرآن زیستن!
آں کتاب زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ اُو لایزال است و قدیم
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است!
مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا است ایں — زندہ و پائندہ و گویا است ایں!
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود — جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود!

اب ایک بات اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ اگر کوئی دعوت اس قرآن سے پرے پرے دی گئی ہو' قرآن کو Bypass کر کے دی گئی ہو' قرآن کے بجائے کسی شخصیت کے لٹریچر کے بل پر چل رہی ہو' کسی اور کی تصانیف پر چل رہی ہو' وطنیت و قومیت کے نام پر چل رہی ہو تو وہ دعوت اُسوۂ رسول ﷺ سے ہٹی ہوئی ہے ـــــ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہتا ـــــ اُسوۂ رسولؐ تو یہ ہے دعوت و تبلیغ' انذار و تبشیر' تلقین و نصیحت ان سب کا مبنیٰ' مدار اور مرکز و محور صرف اور صرف قرآن ہوگا۔ (جاری ہے)

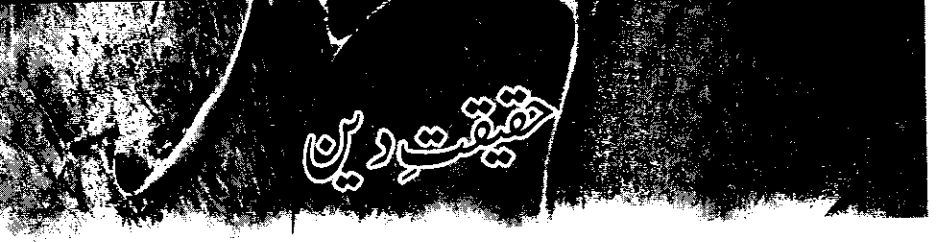

حقیقتِ دین

اِسلام ــــ دینِ فطرت

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے' وہ ہر مخلوق کی حدود اور صلاحیتوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ الحکیم ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ انسان اس کی شاہکار تخلیق ہے۔ یہ اشرف المخلوق ہے۔ اس کی تخلیق بھی بامقصد ہے۔ سورۃ الملک میں ہے: ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ''تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرتا ہے''۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی سرشت میں اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت بھی ودیعت فرما دی۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ (الشمس: ۸) ''پس اُس نے نفس کو برائیوں اور اچھائیوں کی پہچان سجھا دی''۔ چونکہ دنیا میں اس قدر رنگینی اور دلکشی ہے کہ انسان برائیوں کو برائی جانتے ہوئے بھی ان سے مکمل طور پر بچ نہیں سکتا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے الہامی راہنمائی (Divine Guidance) کا انتظام کر دیا' جس کا مکمل' کامل اور آخری ایڈیشن قرآن مجید بنی نوع انسان کے پاس اپنی اصل اور خالص ترین صورت میں موجود ہے۔ اس میں انسان کو زندگی گزارنے کا سلیقہ بتایا گیا ہے' تاکہ وہ فسق و فجور سے بچ سکے اور تقویٰ کی روش اختیار کرنا اس کے لئے آسان ہو جائے۔ اس راہنمائی کے بغیر اس مزیّن اور لذیذ دنیا میں راہ راست پر چلنا ممکن نہیں ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی انسان کو تخلیق کیا ہے لہٰذا وہ اس کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہے۔ چنانچہ اس نے دنیا میں زندگی گزارنے کا جو ضابطہ دیا ہے وہ عین قابل عمل اور نتائج کے اعتبار سے خوشگوار ہے۔ اس راہنمائی میں زندگی گزاریں تو سکون و اطمینان بھی نصیب ہوتا ہے' آزمائش میں کامیابی کا احساس بھی ہوتا ہے اور یہ چیز دنیاوی تکالیف اور مصائب کے برداشت کو سہل بھی بنا دیتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ (النحل: ۹۷)

''جس نے نیک عمل اپنایا' چاہے وہ مَرد ہو یا عورت' اور ہو وہ مؤمن' تو ہم اسے ضرور (دنیا میں) پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے''۔

یہ پاکیزہ زندگی ہی کامیاب زندگی ہے۔ چنانچہ اس کے حصول کے لئے خالق کا تجویز کردہ انداز اختیار کرنا ضروری ہے جو کہ انسان کی فطرت کے قریب ترین ہے۔ اس تحریر کا یہی موضوع ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کو زندہ رہنے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت کھانے پینے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے سے نہیں روکا۔ زمین سے پیدا ہونے والی ہر شے بطور خوراک استعمال کی جاسکتی ہے۔ ہاں' حیوانات میں سے بعض کا گوشت کھانے سے منع کیا گیا ہے' اور وہ بھی اس لئے کہ ایک تو اُن کا گوشت صحت انسانی کے لئے مضر ہے اور دوسرے ان کے کھائے بغیر انسان کا گزارا ہوسکتا ہے۔ مشروبات میں ہر طرح کا مشروب استعمال کرنے کی اجازت ہے' صرف شراب حرام قرار دی گئی جو عقل کو ماؤف کر دیتی ہے اور انسان اچھائی اور برائی کی تمیز سے عاری ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی چیز کے استعمال پر پابندی خود انسان کے اپنے مفاد میں ہے۔ پھر یہ کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ جس کے بغیر گزارا نہ ہو سکے۔

روزی کے حصول کے لئے صاف اور شفاف اصول دیئے گئے ہیں۔ دھوکہ دہی' بددیانتی' رشوت' چور بازاری' ذخیرہ اندوزی وغیرہ جیسے کاموں کے ذریعے کمائی ہوئی دولت کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان ذرائع سے دولت کمانے والا معاشرے کے دوسرے افراد کے ساتھ ظلم و زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے جس کے بُرا ہونے پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

دنیا میں ہر شخص کی خواہش ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ سہولیات میسر ہوں۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ چنانچہ سہولتیں حاصل کرنے کی جدوجہد پر کوئی پابندی نہیں۔ اچھے سے اچھا کھاؤ' اچھے سے اچھا پہنو' پُر آسائش رہائش گاہ میں سکونت اختیار کرو' کوئی ممانعت نہیں۔ ممانعت صرف اس بات کی ہے کہ یہ سب کسب حلال سے حاصل کیا گیا ہو اور نمود و نمائش کا جذبہ اور دوسروں کے مقابلے میں اپنی برتری جتانا مقصود نہ ہو' بلکہ مقصود یہ ہو کہ دنیاوی نعمتوں کے استعمال کے ساتھ صحت و تندرستی حاصل رہے اور اللہ کی عبادت کے لئے زیادہ سے زیادہ موزوں ماحول میسر آسکے۔

گناہوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے لیکن اس کے لئے رہبانیت کی راہ اختیار کرنے

سے روک دیا گیا ہے' کیونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے۔ انسان معاشرتی حیوان ہے۔ اگر اسے معاشرے سے الگ تھلگ تنہائی میں رکھا جائے تو یہ اس کے لئے دنیاوی زندگی میں بدترین سزا ہے۔ لہٰذا اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ابنائے نوع کے اندر رہتے ہوئے اور فطری تقاضوں کو جائز راستے سے پورا کرتے ہوئے بھرپور زندگی گزارو۔ بیوی بچوں اور دوست واحباب سے کٹ کر زندگی گزارنا گناہ کی بات ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جو رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات منقطع کر لے۔

دنیا کی زندگی میں انسان کی کئی حیثیتیں ہیں۔ وہ بیٹا ہے تو اسے ماں باپ کی خدمت' اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے جن ہستیوں نے اس کی پرورش کی' اپنا آرام وراحت اس پر قربان کرتے رہے' ان کی خدمت اور اطاعت تو عین فطری بات ہے۔ پھر کل کو آج کے بچے ماں باپ بنیں گے تو انہیں بھی یہ موقع حاصل ہوگا کہ ان کی اولاد اُن کی خدمت کرے۔

اگر انسان بڑی عمر کا ہے تو اسے ہدایت ہے کہ چھوٹوں پر شفقت کرے کہ وہ اس کے مستحق ہیں۔ بڑوں کا فرض ہے کہ وہ نرمی اور رفق ومحبت کے ساتھ چھوٹوں کو اچھی تعلیم دیں تاکہ وہ کامیاب زندگی کی راہ پر گامزن ہوں۔ ان باتوں پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت اس حدیث سے واضح ہے:

((مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیَعْرِفْ حَقَّ کَبِیْرِنَا فَلَیْسَ مِنَّا)) (ترمذی و ابوداؤد)

''جس شخص نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کیا اور ہمارے بڑوں کا حق نہیں پہچانا وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔

گویا تمام اسلامی اخلاقی تعلیم انتہائی نتیجہ خیز ہے اور معاشرے میں امن وسکون کا باعث ہے۔ جو شخص ان تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھتا ہے' اس کا دل مطمئن اور روح پرسکون ہو جاتی ہے۔

دنیا کی زندگی میں خوشی کے مواقع بھی آتے ہیں اور غمی کے بھی۔ اسلامی تعلیمات خوشی کے موقع پر خوشی کے اظہار سے نہیں روکتیں کہ یہ فطری تقاضا ہے۔ بیٹے کی شادی کا موقع والدین اور عزیز واقارب کے لئے خوشی کا موقع ہے۔ اس موقع پر دولہا کی طرف سے دعوتِ ولیمہ کے انعقاد کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ وہ اپنے عزیز واقارب اور دوست واحباب کو اپنی خوشی میں شریک کر سکے۔ البتہ اس موقع پر فضول رسومات کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے جہاں صاف

طور پر اسراف وتبذیر involve ہوتا ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر حلال وطیب کمائی نام ونمود اور شہرت کی خاطر خرچ کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ اس سے ناداروں اور مفلسوں کی حق تلفی بھی ہوتی ہے اور دل شکنی بھی۔ یوں ایسا آدمی معاشرے میں اونچ نیچ پیدا کر کے نفرت کا بیج بوتا ہے جو ہرگز مستحسن نہیں۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ کسی گھر میں موت ہو جائے تو اہل خانہ پر صدمے کی کیفیت طاری ہونا ایک فطری امر ہے۔ چنانچہ ایسے موقع پر غمگین ہونے اور غم کے آنسو بہانے سے نہیں روکا گیا بلکہ نماز جنازہ کے ذریعے میت کی مغفرت کے لئے دعا کرنا مسنون قرار دیا گیا۔ اور یہ نہ صرف زندوں کے لئے صبر وسکون کا باعث ہے بلکہ فوت ہونے والے کے لئے بھی مفید ہے۔ البتہ اس غم کے موقع پر بھی نام ونمود کے لئے بڑی بڑی دعوتیں پکانا اور کئی دن تک سوگ کی حالت میں رہنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ تعلیم یہ دی گئی ہے کہ کسی فرد کی وفات کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہوا۔ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ یہاں ہر نفس پر موت آئے گی' یہ اللہ کا اٹل فیصلہ ہے۔ صدمہ تو فطری امر ہے' اس کو نہیں دبایا گیا' البتہ حد سے بڑھنے یعنی بے صبری کے مظاہرے سے منع کیا گیا ہے۔ اس صدمے کو صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تعزیت صرف تین دن تک ہے' اس کے بعد لواحقین اپنے اپنے کام کاج میں مصروف ہو جائیں اور اللہ کی رضا پر راضی ہو جائیں۔ اس طرز عمل پر وہ بے حساب اجر وثواب کے مستحق بھی ہوں گے۔ میت کو سادہ سی قبر میں دفن کرنے کا حکم ہے' قبر کو پختہ کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ اس میں پیسہ بھی خرچ ہوتا ہے جو ہر شخص برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر اس سے میت کا کوئی نفع وابستہ نہیں ہوتا' کیونکہ قبر میں تو اس کے نفع ونقصان کا دارومدار اس کے اچھے برے اعمال پر ہے۔ قبروں کو چونا گچ کے ساتھ خوبصورت بنانے اور قائم رکھنے کی اجازت نہیں۔ اس سے کئی بدعات اور مفاسد جنم لیتے ہیں جو ٹھوس اور پختہ عقائد سے روگردانی کا باعث بن کر گمراہی کے لئے راہ ہموار کرتے ہیں۔

دین میں عبادات کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ عبادات کا دوسرا نام حقوق اللہ ہے۔ جہاں اسلام میں حقوق العباد کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے وہاں عبادات کی پابندی کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اسلامی عبادات تمام کی تمام ایسی ہیں کہ وہ انسان کے اخلاق وکردار کو اس درجہ سدھار دیتی ہیں کہ وہ ایک اچھا انسان بن جاتا ہے اور اس کے لئے حقوق العباد کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے۔ اسلام میں عبادات کا نظام بھی اعتدال پر مبنی ہے۔ ایک دن میں پانچ

نمازیں فرض ہیں۔ ہر نماز چند منٹ کی مصروفیت ہے جس میں انسان پاک صاف ہو کر اللہ کی یاد میں لگ جاتا ہے۔ اپنے خالق و مالک کی حمد و ثنا کرتا' اپنے نبی کریم ﷺ پر دورد پڑھتا' اپنے اور اپنے اہل و عیال بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے بھلائی مانگتا اور گناہوں کی بخشش کی استدعا کرتا ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ وقفے وقفے سے اللہ کے حضور حاضری اللہ کے ساتھ عبدیت کے رشتے کو مضبوط کرتی اور اسے ہر طرح کے گناہوں سے باز رکھتی ہے۔

سال میں ایک ماہ کے روزے فرض کئے گئے ہیں۔ اس مہینے میں صبح سے شام تک بھوک پیاس برداشت کرنا اور شہوانی خواہش پوری کرنے سے رکنا ہوتا ہے۔ چند گھنٹوں کا یہ وقفہ کچھ مشکل تو ہوتا ہے مگر یہ تربیت انسان کے کردار میں بلندی اور جذبات میں توازن پیدا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ روزہ بہت سی بیماریوں کے ازالے کا باعث بھی بنتا ہے' کیونکہ یہ انسانی معدے پر کام کا بوجھ کم کر کے اسے طاقتور اور توانا بناتا ہے۔ سال میں ایک ماہ کے روزے مشقت کا باعث نہیں اور پھر بھوک و پیاس کا وقفہ بھی زیادہ لمبا نہیں کہ عام آدمی برداشت نہ کر سکے۔ نماز اور روزے کی اہمیت اپنی جگہ مگر مریض اور مسافر کے لئے حالات کے مطابق نرمی رکھی گئی ہے۔ لمبے سفر میں نماز قصر ہے جبکہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بیماری کی حالت میں کھڑے ہونے کے بجائے لیٹ کر یا محض اشارے کے ساتھ بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے اور روزہ نہ رکھنا جائز ہے جو بیماری یا سفر کی صعوبت کے بعد پھر رکھا جا سکتا ہے۔ یعنی اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں جو انسانی فطرت کے ساتھ متصادم اور تکلیف مَالَا یُطَاق کا مظہر ہو۔ نماز کے لئے وضو ضروری ہے' لیکن اگر پانی میسر نہ ہو یا بیماری کے باعث پانی کا استعمال نقصان دہ ہو تو مٹی کے ساتھ تیمم کی اجازت ہے جو وضو کا قائم مقام ہے۔

انسان کے اندر شہوانی جذبات بڑے مُنہ زور اور شدید ہیں۔ چنانچہ اسلام ان جذبات کو نہ کچلتا ہے اور نہ دباتا ہے' بلکہ channelize کرتا ہے۔ ان جذبات کی تسکین کے لئے نکاح کا راستہ ہے جو مرد اور عورت دونوں کے سکون و اطمینان کا باعث ہے۔ نکاح سے فرار یعنی تجرد کی زندگی بعض دوسرے مذاہب میں قابل تعریف ہے مگر فطرت کے ساتھ متصادم ہونے کی وجہ سے اسلام میں جائز نہیں' بلکہ یہاں تو نکاح کو مسنون عمل قرار دیا گیا ہے اور بیوی بچوں کے جائز حقوق و مطالبات کا پورا کرنا اجر و ثواب کا باعث بتایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے اور جو شخص سنت سے اعراض کرے اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

بعض اوقات جسمانی ضرورت یا اولاد کی طلب ایک سے زیادہ بیویوں کا تقاضا کرتی ہے جو ایک فطری امر ہے۔ چنانچہ ایک مَرد کے لئے چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ ہاں اُن سب کے حقوق برابری کے اصول پر ادا کرنے ہوں گے اور یہ بات عدل وانصاف پر مبنی ہے۔ جس معاشرے میں صرف ایک ہی بیوی کی اجازت ہے وہاں بعض افراد جو غیر معمولی جذبات کے حامل ہوتے ہیں' عدم تشفی کا شکار ہو کر اِدھر اُدھر مُنہ مارتے' داشتائیں رکھتے اور فحاشی و بے حیائی پھیلاتے ہیں' مگر اسلام اس کا مثبت حل پیش کرتا ہے' اور فطری تقاضوں کو غیر ضروری حد تک دبانے کی اجازت نہیں دیتا۔

اسلام مالداروں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ زائد از ضرورت مال و زر میں سے ایک مقررہ حصہ غرباء و مساکین' نادار اور ضرورت مندوں کو دیں تا کہ ان کی گزر بسر ہو سکے اور وہ نہ تو بھوک کے ہاتھوں مجبور ہوں اور نہ وہ بھیک مانگیں۔ زکوٰۃ اُس مال پر ہے جو سال بھر کسی کے پاس فارغ پڑا رہے۔ پھر اس میں سے صرف چالیسواں حصہ مستحقین اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرنا ہے جو کوئی بڑی رقم نہیں ہے۔ اگر نصف یا چوتھائی مال دینے کا حکم ہوتا تو انسانی طبیعت پر بوجھ ہوتا' لیکن چالیسواں حصہ تو اتنی قلیل مقدار ہے جس کا خرچ کرنا آسانی کے ساتھ قابل برداشت ہے۔ پھر اس میں بھی یہ تعلیم ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو فوقیت دی جائے۔ گویا ہر صاحب مال اپنے عزیز و اقارب کی ضروریات کا خیال رکھے۔ اگر ایسا ہو گا تو کوئی ضرورت مند بے بسی اور بے چارگی کی زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہو گا۔

اسلام کا ایک رکن حج بیت اللہ ہے جو ہر اُس مسلمان پر فرض ہے جو خانہ کعبہ تک سفر کی مشقت اور اخراجات برداشت کر سکتا ہو۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھر کی اندرونی اور بیرونی ضروریات پوری کرنے کا بھی انتظام ہو۔ ایسے آدمی پر زندگی میں ایک مرتبہ چند دن کے لئے مکہ مکرمہ جانا اور مناسکِ حج ادا کرنا لازم ہے۔ جہاں یہ عبادت تقربِ الٰہی کا موجب ہے وہاں حج کے موقع پر لاکھوں فرزندانِ توحید کا یہ اجتماع شانِ اسلام کا مظہر ہی نہیں ہوتا بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو باہم مصاحبت اور مشاورت کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔ اس مقدس فریضے کی ادائیگی میں غیر معمولی مشقت اور بھاری اخراجات اٹھتے ہیں تو اس کا اجر و ثواب بھی دیکھئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس آدمی نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو کر واپس ہو گا جیسا اُس

دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔'' (بخاری و مسلم)

تہوار منانا' خوشی کا اظہار کرنا' زیب و زینت اختیار کرنا بھی فطری تقاضا ہے۔ چنانچہ اسلام میں دو مقدس تہوار عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔ ایک تو رمضان المبارک کے روزوں کی تکمیل پر اظہارِ خوشی کا موقع ہے اور دوسرا جدّ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس یادگار فعل کی یاد تازہ کرتا ہے جب انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنے پیارے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لئے پیش کر دیا۔ اس دن مسلمان جانوروں کی قربانی پیش کرتے ہیں' اچھے سے اچھا کھانا کھاتے ہیں۔ گوشت وافر ہوتا ہے اس لئے اُس دن ہر غریب اور نادار کو بھی اچھا کھانا میسر آتا ہے۔ ان دونوں عیدوں کے موقع پر انفاق فی سبیل اللہ کی خصوصی ترغیب ہے۔ علاوہ ازیں ان دونوں ایام میں دو رکعت نماز عید بھی ادا کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں پر شکر کا اظہار ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ سنجیدگی اور وقار پسندیدہ عادات ہیں مگر انسان کی طبیعت خوش طبعی اور مزاح کا بھی تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ اسلام میں اس کی بھی گنجائش موجود ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں خوشگوار مزاح کی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک بوڑھی عورت کے ساتھ گفتگو کے دوران آپؐ نے فرمایا کہ بوڑھی عورت تو کوئی بھی جنت میں نہ جائے گی۔ زبانِ وحی ترجمان سے یہ بات سن کر وہ عورت سخت پریشان ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں پریشان ہوتی ہو؟ جنت میں بوڑھی عورتیں بھی جوان ہو کر جائیں گی۔ جب یہ انداز سنت سے ثابت ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی موجود تھا۔ ایک دفعہ چند صحابی اکٹھے کھجوریں کھا رہے تھے۔ ان کو سوجھا کہ جو بھی کھجور کھاتا گٹھلی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آگے رکھ دیتا۔ اس طرح حضرت علیؓ کے سامنے گٹھلیوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اس پر دوسروں نے کہا لگتا ہے علیؓ نے ہم سب سے زیادہ کھجوریں کھائی ہیں۔ یہ سن کر حضرت علیؓ کہنے لگے یہ بات نہیں' بلکہ لگتا ہے کہ تم گٹھلیوں سمیت کھجوریں کھاتے رہے ہو جبکہ میں نے گٹھلیاں نکال کر کھائی ہیں۔ اس پر سب ہنس دیئے۔

فطرتِ انسانی کو صفائی پسند ہے۔ چنانچہ اسلام صاف ستھرا رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ صفائی کو ایمان کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ ہر نماز سے پہلے وضو لازمی شرط ہے جس میں ہاتھ' مُنہ' بازو اور پاؤں دھوئے جاتے ہیں' ناک میں پانی ڈالا جاتا ہے اور گلا بھی صاف کیا جاتا ہے۔ پھر مسواک کی فضیلت بیان کر کے ہر نماز کے وضو میں مسواک کر کے دانت صاف کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ آج ہر شخص جانتا ہے کہ بہت سی بیماریاں محض دانتوں کے صاف

نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں' کیونکہ دانتوں میں اٹکی ہوئی خوراک کے ذروں میں نقصان دہ جراثیم پیدا ہوتے ہیں جو پیٹ میں پہنچ کر مختلف بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔ ہفتے میں ایک دن خصوصی اجتماعی نماز ہوتی ہے' یعنی نمازِ جمعہ۔ اس میں قرب و جوار کے سب لوگ شرکت کرتے ہیں۔ یوں تو مسجدوں میں بڑے بڑے اجتماع ہوتے ہیں' لیکن اس نماز کے لئے خصوصی حکم ہے کہ مسجد میں آنے سے پہلے غسل کیا جائے' مسواک کی جائے' اچھے صاف ستھرے کپڑے پہنے جائیں اور خوشبو بھی لگائی جائے۔ اس طرح اس بڑے اجتماع کو ہر قسم کی ناگوار مہک سے پاک اور خوشبو کے ذریعے خوشگوار بنایا جاتا ہے۔

اسلام کا ہر حکم افراط و تفریط سے پاک ہے۔ اللہ کا ذکر' تلاوتِ قرآن' نماز و روزہ انتہائی فضیلت کی حامل عبادات ہیں' مگر اِن میں بھی توازن و اعتدال کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ ان پسندیدہ عبادات کو اس حد تک اختیار کرنے کی اجازت ہے کہ دوسرے ضروری اعمال و افعال متاثر نہ ہوں اور نہ ہی معاشرے کے دوسرے افراد خصوصاً اہل خانہ اور عزیز و اقرباء کے حقوق تلف ہوں۔ نفلی نماز اور تلاوتِ قرآن اُس وقت تک کریں جب تک اس میں دل لگے۔ اگر نیند آنے لگے تو طبیعت پر جبر کر کے تلاوت میں مصروف رہنے کی ممانعت ہے۔ اسی طرح پیشاب یا پاخانے کی حاجت ہو' یا بھوک لگ رہی ہو اور کھانا بھی تیار ہو' تو ایسی صورت میں پہلے پیشاب پاخانے سے فارغ ہونے اور بھوک کی صورت میں پہلے کھانا کھانے کا حکم ہے' بعد ازاں دِل جمعی کے ساتھ نماز ادا کرنے کی تعلیم ہے۔

روزہ رکھنا پسندیدہ عبادت ہے' مگر نفل روزے اتنی تعداد میں ہی رکھنے کی اجازت ہے جس سے بیوی بچوں کے حقوق تلف نہ ہوں اور نہ ہی اپنی صحت متاثر ہو۔ بیوی کو نفل روزہ میں خاوند کی اجازت کا پابند بنانا بھی گہری حکیمانہ تعلیم ہے۔ دوسروں کے حقوق کے اتلاف کا اس قدر خیال رکھنے کا حکم ہے کہ اُس جگہ بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کی اجازت نہیں جہاں لوگوں کا تلاوت کے لئے ہمہ تن گوش ہونا ممکن نہ ہو۔

شادی بیاہ کے موقع پر اسلام سادگی کی تعلیم دیتا ہے۔ بہتر ہے کہ نکاح مسجد میں ہو اور پاکیزہ ماحول کے اندر دلہا' دلہن کی کامیاب ازدواجی زندگی کے لئے اجتماعی دعا کی جائے۔ شادی کے موقع پر دلہا کے ہاں تو اظہارِ خوشی کے لئے عزیز و اقارب کی دعوت ہوگی' جسے ولیمہ کہتے ہیں' مگر دلہن کے ہاں کسی قسم کی تقریب منعقد نہ ہونی چاہئے۔ نہ تو ان کے ہاں بارات آئے کہ اسے کھانا کھلانے کا اہتمام کیا جائے اور نہ ہی والدین پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بیٹی کو

جہیز دیں۔ یوں تو دلہن کے والدین کو بیٹی کو رخصت کرتے وقت جدائی کے غم کے ساتھ ساتھ فرض سے سبکدوش ہونے کا خوشگوار احساس بھی ہوتا ہے' مگر اس موقع پر ان پر کسی طرح کی دعوت وغیرہ کا کچھ بار نہیں ڈالا گیا۔ البتہ بیٹی والدین کی جائیداد سے وراثت کی حق دار ضرور ٹھہرائی گئی ہے۔ اگر وراثت تھوڑی ہے تو وہ تھوڑا حصہ پائے گی' زیادہ ہے تو زیادہ حصہ پائے گی۔ اس کا حصہ وراثت میں مقرر ہے۔

اسلام میں رات کو جاگ کر اللہ کی حمد وثنا' نماز اور ذکر اذکار کی بڑی فضیلت ہے' مگر یہاں بھی افراط وتفریط ہرگز پسندیدہ نہیں۔ رات آرام کے لئے ہے' لہٰذا پسندیدہ طرزِ عمل یہ ہے کہ رات کو اتنی دیر جاگ کر عبادت کی جائے جس سے صحت متاثر نہ ہو اور صبح اٹھ کر آدمی دن بھر کے کام کاج کرنے کے قابل رہے۔ ایسا نہ ہو کہ شب بیداری کے نتیجہ میں وہ سارا دن اونگھتا رہے اور روزمرہ کے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہو جائے۔ شب بیداری کے سلسلہ میں جہاں اپنے جسمانی حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے وہاں بیوی بچوں کے حقوق خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرنے میں کوتاہی کی بھی ہرگز اجازت نہیں۔

الغرض دین اسلام میں تمام احکام ایسے ہیں کہ ان میں افراط وتفریط کہیں نظر نہیں آتی۔ اس کی تعلیمات فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں۔ انسانی طبیعت کی فطری کمزوریوں کو ہر وقت پیش نظر رکھا گیا ہے۔ کوئی حکم اور ضابطہ ایسا نہیں جس پر عمل کرنا ناممکن ہو یا وہ انسانی ہمت وصلاحیت سے ماوراء ہو۔ ایسا متوازن اور معتدل ضابطۂ حیات صرف دین اسلام ہی ہے' کیونکہ اسے بنانے والا خود وہ خالق ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور جو اس کی کمزوریوں اور صلاحیتوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کے حق میں رحمٰن ورحیم ہے۔ چنانچہ اصولاً وہ لوگوں کے لئے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (آیت ۱۸۵)

''اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے' وہ تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا۔''

اسی بنیادی تعلیم کے تحت ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ دوسروں کے لئے ہر ممکن حد تک آسانی پیدا کرے اور سختی سے باز رہے۔

ooo

مستقبل قریب میں

ظہورِ مہدی کا امکان

موجودہ عالمی حالات اور زمانہ قبل اسلام کے تقابل کی روشنی میں

تحریر: محمد طفیل گوندل ☆

وہ شرارِ زندگی جو جنت سے زمین پر اترا' وہ چراغ جو اندھیرے سمندر میں سفینۂ نوحؑ کو روشن کر رہا تھا' وہ روشنی جسے ابراہیمؑ شہر اُر سے لے کر چلے تھے اور جو کبھی دیدۂ یعقوبؑ میں نور بن کر اتری تھی اور پھر کبھی روزنِ زنداں سے یوسفِ کنعانؑ تک پہنچی' جو فرعون کے دربار میں موسیٰؑ کے روشن ہاتھ پر جلوہ فگن ہوئی تھی اور جس سے سلیمانِ اعظمؑ نے اپنے ہیکل کو منور کیا تھا اور جو صدیوں تک یروشلم کے مناروں پر فروزاں رہی' اور پھر جب یروشلم اس روشنی سے محروم ہو گیا تو عیسیٰ ابن مریمؑ مسیح ناصری اس چراغِ ہدایت کو تھامے ہوئے پہاڑی پر چڑھے اور انہوں نے اپنے حواریوں کو خوشخبری سنائی:

''اندھیری دنیا کا چراغ روشن ہو کر رہے گا۔ تب سارے چہرے پہچان لئے جائیں گے کہ کون خداوند خدا کی بادشاہت کا طلبگار ہے اور کون روشنی سے مُنہ پھیر کر الٹے قدم پھرنے والا گنہگار ہے۔''

مسیح ناصریؑ کی یہ پیشین گوئی چھ سو سال بعد پیغمبر اعظم و آخر' فخر انسانیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی صورت میں پوری ہوئی اور آفتابِ رسالت کی ضیا پاشیوں نے کرۂ ارض کی ظلمتوں کو سیماب پا کر دیا۔

آج دیو کفر و ضلالت نے پھر دنیا پر اپنے مہیب پر پھیلا دیئے ہیں۔ تو کیا سنت اللہ یعنی خدا کا قانونِ ہدایت و ضلالت ماضی کی تاریخ کو دہرائے گا اور غیرتِ حق فطرت کے قانونِ

☆ نائب ناظم' تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب شمالی' راولپنڈی

ردِعمل کو حرکت دے گی؟ یعنی آفتابِ ہدایت برجِ سعادت سے نمودار ہو کر چہار جانب چھائی ہوئی مادہ پرستی، ظلم و استبداد اور رسم و رواج کی تاریکیوں کو فنا کر کے عالم ہست و بود کو علم و یقین کی روشنی سے منور کر دے گا؟ آیئے ہم ظہورِ قدسیؑ سے قبل کے حالات کا موجودہ حالات سے تقابل کر کے دیکھیں کہ کیا واقعی ایسا زمانہ قریب ہے جس میں کسی مجدد، ہادی یا مہدی کے ظہور کے امکانات ہیں!

سیاسی کیفیت

پندرھویں صدی ہجری کا تیسرا عشرہ گزر رہا ہے۔ اس وقت بین الاقوامی حالات و سیاست کے ایک طالب علم کو اگر بتایا جائے کہ اب سے سوا چودہ سو برس پہلے بھی بین الاقوامی سیاست کی بساط تقریباً اسی نقشے پر جمی تھی جس پر آج نظر آتی ہے تو وہ چونک جائے گا۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں بلادِ عرب کو بین الاقوامی توازنِ اقتدار اور اُس وقت کی دو بڑی سپر پاورز کی باہمی آویزش میں وہی درجہ حاصل تھا جو موجودہ عرب ممالک کا ہے۔ وہ یوں کہ خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد مشرقِ وسطیٰ کا پورا خطہ جس بری طرح مشرقی اور مغربی طاقتوں خصوصاً روس اور امریکہ کی چھینا جھپٹی کا شکار رہا ہے بالکل یہی کیفیت اُس وقت بھی تھی۔ پانچویں صدی عیسوی کے عرب باشندے بھی آج کی طرح چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں اور ریاستوں میں یوں منقسم تھے کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور موجودہ زمانے کی کمزور اور بے مایہ عرب ریاستوں کی طرح اُس زمانے کے عرب بھی دنیا کی دو بڑی طاقتوں کی آپس کی ٹکر کا شکار تھے۔ یہ دو بڑی سپر پاورز آج کے روس اور امریکہ کی طرح فارس اور روما کی سلطنتیں تھیں جن کا مذہب بالترتیب مجوسیت اور عیسائیت تھا۔ ان کی عداوت بہت پرانی تھی۔ سینکڑوں سال سے جنگ و جدال برپا تھا، حتیٰ کہ ۴۷۵ء میں روما کی عظیم الشان سلطنت دو ٹکڑے ہو گئی (یعنی آنحضور ﷺ کی ولادتِ مبارک سے تقریباً ۱۰۰ سال پہلے) مغرب پر یورپ کے وحشی قبائل قابض ہو گئے اور اس کے بعد رومی سلطنت بازنطوم (قسطنطنیہ) اور اس کے شرقی اقطاع تک محدود ہو گئی۔ فارس سے تصادم کی روایت اسی بازنطینی سلطنت کے حصے میں آئی۔ ہم نے یہاں بازنطینی سلطنت کی جو اصطلاح استعمال کی ہے وہ دراصل رومۃ الکبریٰ کی گزشتہ سلطنت سے ممتاز کرنے کے لئے ہے، ورنہ عرفِ عام میں اب یہی سلطنتِ رومی کہلاتی تھی، کیونکہ یہ رومۃ الکبریٰ کی جانشین تھی۔ بعینہٖ آج سے

چودہ سال پہلے سوویت یونین کی سپر پاور بظاہر مسلمانوں (افغانیوں) کے ہاتھوں لیکن بالواسطہ دوسری سپر پاور یعنی امریکہ کے ہاتھوں پاش پاش ہوئی اور اب روس کی موجودہ سلطنت بیلا روس پر مشتمل ہے' باقی ریاستیں سوویت یونین کے تسلط سے آزاد ہو گئی ہیں۔ بہر کیف فارس اور روم کی یہ صدیوں پرانی مخاصمت قتال اور خون ریزی کے علاوہ بھی جاری تھی۔ گویا ایک سرد جنگ کی کیفیت تھی جس کا دائرہ جنوب میں جزیرہ نمائے عرب اور مشرقی افریقہ تک پھیلا ہوا تھا۔ کہیں تجارتی مسابقت کے رنگ میں' کہیں سیاسی اثر و اقتدار کی صورت میں اور کہیں چھوٹی موٹی لڑائیوں اور سمجھوتوں کی شکل میں۔ اور سرد جنگ کا محور جزیرہ نمائے عرب تھا' بالکل اسی طرح جیسے آج مشرقِ وسطیٰ کے جغرافیائی محل وقوع نے اس پورے خطے کو بین الاقوامی سرد جنگ کا محور بنا رکھا تھا۔ اُس زمانے میں مشرقی دنیا کے ساتھ تجارت رومی سلطنت کے لئے اسی قدر اہم تھی جتنی آج یورپ اور امریکہ کے لئے ہے۔ اس تجارت کی باگ ڈور قدرتاً اسی طاقت کے ہاتھ میں رہ سکتی تھی جو جزیرہ نمائے عرب اور بحیرۂ احمر کے راستوں پر غالب ہو۔ آج مشرقِ وسطیٰ کا تیل اسی اہمیت کا حامل ہے اور یہ سرد جنگ چین' روس اور یورپ و امریکہ کے مابین پچھلے کئی سالوں سے جاری ہے اور مسلم حکومتیں خصوصاً عرب ان کے حلیفوں کا کردار ادا کر رہے ہیں' ان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں' نتیجتاً موجودہ دَور کی واحد سپر پاور امریکہ نے مسلم ممالک میں فوجی اڈے تو کہیں پہلے سے قائم کر رکھے ہیں' اب عراق کے تیل پر غنڈہ گردی سے کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔

یہودیوں کو اُس وقت بحیثیت قوم کہیں بھی سیاسی غلبہ نصیب نہ تھا اور یمن میں انہوں نے عیسائیوں کے قتلِ عام کے ذریعے جو اقتدار قائم کیا تھا وہ حبشہ کے ذریعے ختم ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود روم اور فارس کی جنگِ اقتدار میں یہودیوں کو بڑی سیاسی اور معاشی اہمیت حاصل تھی۔ ان دونوں سلطنتوں میں یہودی ساہوکار آباد تھے۔ وہ سیاسی طور پر مغلوب ہونے کے باوجود نسلی برتری کے غرور میں ہمیشہ کی طرح مبتلا تھے۔ وہ سود خوری کے ذریعے غیر یہودی اقوام کے استحصال کو نہ صرف جائز سمجھتے تھے بلکہ اسے مذہبی فریضہ گردانتے تھے۔ فارس اور روم کی طویل کشمکش کی تاریخ کا یہ پہلو بہت دلچسپ ہے کہ یہودیوں کی ہمدردیاں کبھی ایک کے ساتھ ہوتی تھیں اور کبھی دوسرے کے ساتھ۔ آج کی طرح بین الاقوامی مالیات پر اس تسلط نے یہودیوں کو ایک تو اس امر سے سہارا دیا کہ وہ متمدن ممالک میں ایک مسکین اقلیت بن کر رہتے تھے' دوسرے انہوں نے مستقل مراکز کے لئے عرب کے اہم مقامات منتخب کئے

تھے جہاں کوئی مستقل سیاسی قوت موجود نہ تھی۔ پھر جب مشرق ومغرب کی تجارت کا انتظام و انصرام قریش کے ہاتھ آیا تو یہودیوں کی اہمیت اور بڑھ گئی تھی۔ اب اس تجارت کی سرمایہ کاری رفتہ رفتہ انہی کے ہاتھوں آتی جارہی تھی۔ یمن میں سیاسی غلبہ ختم ہو جانے کے باوجود یہودیوں کی بھاری آبادیاں موجود تھیں۔ ادھر شمالی حجاز میں تیماء، فدک، خیبر اور یثرب کی سرسبز وشاداب وادیاں یہودیوں کی ملکیت میں تھیں اور ان کے قلعے بھی یہاں موجود تھے۔ چھٹی صدی عیسوی کی بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عرب قبائل اپنے ملک میں یہودیوں کے روز افزوں اثر واقتدار سے پریشان ہونے لگے۔ وہ خصوصاً اس حقیقت کو محسوس کرنے لگے تھے کہ یہودی ساہوکار ان کی معیشت پر قابو پاتے جارہے ہیں۔ اس احساس نے عام عربوں کو یہودیوں کی جانب سے نہ صرف بدگمان کر دیا تھا بلکہ ان کے دلوں میں عداوت پیدا ہورہی تھی۔ اس کے جواب میں یہودیوں کا رویہ جارحانہ تھا۔ وہ برملا کہتے تھے کہ اس ملک پر سیاسی اقتدار ہمارا پیدائشی حق ہے۔

آج پندرہ سو سال گزرنے کے بعد پھر وہ اس پوزیشن میں ہیں کہ مدینہ پر اپنا حق جتا رہے ہیں اور ایک بار پھر گریٹر اسرائیل کا خواب دیکھ رہے ہیں جو بقول ان کے ان علاقوں پر مشتمل ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں اور بعد میں عظیم مکابی سلطنت میں شامل تھے۔ پچھلے ۱۹ سو سالوں میں یہودیوں نے دوسری قوموں کے ہاتھوں بڑی ہزیمت اٹھائی ہے، بڑے نشیب وفراز دیکھے ہیں، ان کے لئے دنیا میں کوئی پناہ گاہ نہیں تھی اور اس پیریڈ کو وہ دورِ انتشار (Diaspora) کا نام دیتے ہیں۔ بالآخر ۱۹ویں صدی کے آخر میں انہوں نے دنیا کو غلام بنانے کے لئے اپنا ایک لائحہ عمل طے کیا اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مکمل منصوبہ بندی کی۔ آج وہ بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے ہدف کی جانب گامزن ہیں، جس کے نتیجے میں ۱۹۴۸ء میں فلسطین کے اندر انہوں نے ایک اسرائیلی ریاست قائم کرلی، مگر آج بھی وہ ان ممالک میں مسکین اقلیت کے طور پر رہ رہے ہیں جو اپنے آپ کو متمدن اور ترقی یافتہ ممالک سمجھتے ہیں۔ لیکن اب ان کی مسکینی کا عالم یہ ہے کہ ع ''فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے'' کے مصداق پچھلے پچاس سال سے انہوں نے ان ممالک خصوصاً امریکہ میں ایسی گھناؤنی اور گہری سازشوں کا جال بچھا رکھا ہے کہ وہاں کے اہل عقل ودانش اور اہل اختیار یہودیوں کی ہوا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ حد یہ ہے کہ انہوں نے عیسائیوں کے بلند پایہ پادریوں کو بھی خرید رکھا ہے۔ مسلمان ممالک میں چونکہ ان کی رسائی براہِ راست نہیں اس لئے انہوں

نے عیسائیوں' ہندوؤں اور دوسری غیر مسلم اقوام کے ساتھ ساتھ خود مسلمانوں کے اندر ایسے افراد کو جن کا دین وملت سے دور کا بھی واسطہ نہیں' آلۂ کار بنا کر اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اگر ان کی بین الاقوامی سازشوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ یہودی کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی بغیر سازش کے خالی نہ گزرتا ہوگا' کیونکہ ہر یہودی عالمی یہودی کانگریس کے علمبرداروں کے تخلیق کردہ نظریہ تھیسس (Thesis)' اینٹی تھیسس (antithesis) اور سن تھیسس (synthesis) سے بخوبی واقف ہے (جسے عام طور پر ہیگل سے منسوب کر دیا جاتا ہے) اور اسی نظریہ کے پیش نظر یہودی مَرد ہو یا عورت' مخصوص تدابیر بروئے کار لا کر وہ اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے۔

یہودی ذہن اور اُمت محمدیہؐ:

ہر چند کہ یہ بات دہرانے کی نہیں ہے کہ مغربی تہذیب اور مغربی فکر ونظر' اور اس کی ماضی قریب اور عہد حاضر میں پائی جانے والی تمام شکلوں کے پیچھے عالمی یہودیت کا دماغ کارفرما ہے' لیکن کم از کم پچھلی دو صدیوں میں اور آج بھی اس کی علمبردار اینگلو سیکسن (Anglo-Saxon) قوم رہی ہے۔ چنانچہ ۱۹ ویں صدی اس تناظر میں یہودیوں کے لئے تیاریوں کی صدی تھی اور پوری بیسویں صدی اس نصب العین کو حاصل کرنے کی صدی کی طرح گزری ہے' جس کا اب آخری مرحلہ آ چکا ہے۔ وہ نصب العین کیا ہے؟ ''عالمی نظامِ شر کا قیام''.....اس کی سنگینی اور اس کی بہتر تفہیم کے لئے اس کا صحیح ترنام ''عالمی نظامِ طاغوت'' ہو سکتا ہے۔ اس کی اصل تو انکارِ توحید ہے مگر اس کے مظاہر سینکڑوں نہیں ہزاروں میں ہیں جن کا تعلق حیاتِ انسانی کے ہر شعبے سے ہے۔ صدرِ امریکہ نے اس کے لئے ان اصطلاحات کا استعمال کیا ہے جن کا تعلق علم سیاسیات یا تاریخ سے ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے سوا دنیا کی تمام قوموں کی قسمت میں سوائے یہودیوں کی حاشیہ برداری کے اور کچھ نہیں' اس لئے اس نظامِ شر سے پنجہ آزمائی کی ضروری شرائط سوائے مسلمانوں کے کوئی قوم پوری نہیں کر سکتی۔

اُمت محمدیہؐ کی یہود سے معرکہ آرائی کی اصل حقیقت دو ایسے نصب العین کا ٹکراؤ ہے جو اپنی اپنی جگہ دونوں کا مقصد وجود ہے۔ اُمت محمدیہ حزب اللہ ہے۔ اس کا فرض منصبی اللہ کے مشن کو کامیاب بنانا' انسان کو اللہ کی نظر میں سرخرو کرنا اور انسانی تاریخ کو بہتر انجام سے ہمکنار کرنا ہے' جبکہ یہود حزب الشیطان ہیں اور اُن کا مشن شیطان کے مشن کو کامیاب بنانا' انسان کو اللہ کی نظروں سے گرانا اور انسانی تاریخ کو بُرے انجام سے دوچار کرنا ہے۔ یہ

مقابلہ ہے حزب اللہ سے حزب الشیطان کا' رضائے الٰہی سے ہوائے شیطان کا' ربانی مشن سے ابلیسی مشن کا۔ عصر حاضر میں اور بطورِ خاص قیامِ اسرائیل کے بعد اُمتِ مسلمہ کی یہود سے معرکہ آرائی محض زمینی معرکہ آرائی نہیں بلکہ حق اور باطل کی معرکہ آرائی ہے۔

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا!

گزشتہ چار سال سے اس عالمی نظامِ طاغوت کی یورش ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہوگئی ہے جس کے سبب اس کی تفہیم دشوار تر امر ہے۔ اس نئے نظامِ عالم کی داغ بیل تجرباتی طور پر پہلے تو جنگ عظیم اوّل کے دوران ڈالی گئی' لیکن باضابطہ کارروائی کا آغاز جنگ عظیم دوم کے معاً بعد ہوا۔ یہ وہی نظریہ ہے (تھیسس' اینٹی تھیسس' اور سن تھیسس) جس کی تعمیل پہلی جنگ عظیم کا باعث ہوئی' پھر دوسری جنگ عظیم کا باعث بنی اور پھر سرد جنگ کا باعث بنی۔ اس کی اہم ترین بات یہ ہے کہ اس کے دونوں مخالف فریق ایک ہی طبقے کے دو دھڑے ہیں جن کی Parent Body ایک ہی ہے' یعنی عالمی یہودی کانگریس' جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ ترین سطح پر دونوں ایک ہی مقصد کے لئے بظاہر باہم خونریز جنگیں لڑتے رہے اور جب ان کی ضرورت نے شدت اختیار کی تو یہ بظاہر نہ ملنے والے ایک دوسرے سے مل کر باہم شیر وشکر بن گئے۔ ان میں پہلی جنگ عظیم میں ایک جانب برطانیہ' فرانس' اٹلی' روس اور امریکہ وہاں کے یہودیوں کے آلۂ کار تھے اور دوسری جانب جرمنی' آسٹریا اور ترکی۔ اس جنگ میں یہودیوں کے آلۂ کار لاکھوں لوگ مارے گئے اور بظاہر دونوں گروہوں میں ایک ہار گیا اور دوسرا فاتح قرار پایا —— لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سن تھیسس یعنی حاصل یہ ہوا کہ دونوں گروہوں نے ایک ہی مقصد حاصل کیا جو یہودی مقصد تھا۔ جرمنی میں پس برگ حکومت ختم ہوگئی اور پورا جرمنی یہودیوں کے ہاتھوں گروی ہوگیا۔ اٹلی میں کیتھولک چرچ روند ڈالا گیا اور جو کام نپولین نہ کر پایا وہ جنگ عظیم اوّل کے بعد ہوگیا۔ ویٹی کن پوری طرح یہودیوں کے ہاتھوں یرغمال ہوگیا۔ ترکی میں سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ ترکی کو ہرانے والے یہودی بھی فاتح ہوگئے اور ترکی کی طرف سے لڑنے والا سب سے بڑا جنرل مصطفیٰ کمال پاشا ہار کر بھی جیت گیا۔ جنگ عظیم دوم سے قبل دنیا دو حصوں میں منقسم ہوگئی' سرمایہ دارانہ کیمپ جس کا سرخیل برطانیہ تھا اور اشتراکی کیمپ جس کا سربراہ روس تھا۔ عالمی کشیدگی کا آغاز اِن دو کیمپوں کی کشاکش سے ہوا' لیکن جب جنگ عظیم دوم ہوئی تو دونوں کیمپ ایک

پلیٹ فارم پر تھے اور جنگ Forces of retardation کے خلاف تھی۔ کروڑوں لوگ مارے گئے۔ برطانیہ' امریکہ' فرانس' روس جیت گئے جبکہ جرمنی' اٹلی اور جاپان ہار گئے۔ چونکہ ترکی کو مزید خراب کرنا مقصود تھا لہٰذا آخری مرحلے میں اسے بھی اس گروہ میں شامل کرا دیا گیا اور وہ بھی ان کے ساتھ ہار گیا۔ لیکن کون سے مقاصد پورے ہوئے:

(i) سن تھیسس کا باضابطہ ادارہ' یعنی اقوامِ متحدہ' آئی ایم ایف' ورلڈ بینک اور عالمی عدالت کا قیام

(ii) ریاست اسرائیل کا قیام

(iii) یہودیت کے مقاصد کی تکمیل کے لئے اقوامِ متحدہ' آئی ایم ایف' ورلڈ بینک اور عالمی عدالت کو آلۂ کار بنا کر عالمی طاغوتی نظام کو پوری دنیا پر غالب کرنے کے لئے دو یہودی کیمپوں میں توازن پیدا کرنا

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں کیمپ یعنی سرمایہ دارانہ (امریکی) اور اشتراکی (روس) بظاہر باہم مخالف ہیں اور رہیں گے' آپس میں خون ریزیاں کریں گے' لیکن متحدہ فیصلہ سلامتی کونسل میں کریں گے۔ ۱۹۴۸ء میں جب ریاست اسرائیل کا اعلان ہوا جو سراسر امریکہ اور برطانیہ کی جانب سے تھا تو اس کو سب سے پہلے تسلیم کرنے والا ملک کوئی اور نہیں بلکہ خود سوویت یونین تھا۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب اسرائیل کو ریاست قرار دینے پر پاکستان نے اقوامِ متحدہ میں احتجاج کیا تو پاکستان کو سخت ترین انتباہ دینے والا شخص اور کوئی نہیں بلکہ خود گرومیکو تھا جو سلامتی کونسل میں روس کا نمائندہ تھا۔

اقتصادی یا معاشی کیفیت

روم اور فارس کے معاشروں میں عقائد کے بگاڑ کا براہِ راست نتیجہ یہ نکلا کہ عدل و انصاف کی تمام قدریں ملیا میٹ ہو گئیں۔ کیا بادشاہ کیا رعایا' ہر شخص اپنی ذات کا غلام اور اپنے جسم کی خواہشات کا اسیر تھا۔ اقتدار کے نشے نے حکمرانوں کو دنیاوی لذتوں اور آرام و آسائش اور عیش و عشرت کا غلام بنا دیا تھا۔ وہ ان عیش پرستیوں اور عیش کوشیوں کے ایسے دلدادہ ہوئے کہ بس ان ہی کے ہو کر رہ گئے۔ یہ ایک مسلّم قاعدہ ہے کہ ''اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ'' یعنی رعایا اور عوام اس راہ پر چلتے ہیں جس پر اُن کے حکمران اور اہل اقتدار چلتے ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا اور ہوتے ہوتے یہ خصلتیں عوام میں بھی عام ہونے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارا معاشرہ اس گرداب میں گھر کر رہ گیا۔ ہر چھوٹے بڑے کی مساعی کا مُدعا یہ ہو گیا

کہ وہ کس طرح ان اسباب کا مالک بن جائے جن کی موجودگی میں وہ اس معیار کی زندگی گزار سکے جس کا چلن سارے ملک میں عام ہوتا جا رہا تھا۔ اب اگر ان میں باہمی مسابقت کا کوئی میدان تھا تو یہی کہ کون زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرتا ہے اور کون زیادہ شان وشوکت سے زندگی گزارتا ہے۔ قدر و منزلت اس کی ہوتی جو اس میدان کو سر کر لیتا۔ غیرت وحمیت اور ناموس کو اگر اس بازی کے جیتنے کے لئے داؤ پر لگانا پڑتا تو اس میں کوئی مضائقہ نہ ہوتا۔

آج کا بین الاقوامی معاشرہ روم اور فارس کے پندرہ سو سال قبل کے معاشرے کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔ موجودہ دَور کا ہر انسان پیسے کی دوڑ میں ایسا جتا ہوا ہے کہ اپنی ذات کا بھی ہوش نہیں۔ اُس وقت بھی حالت یہ تھی اور آج بھی ہے کہ اگر کسی سرکاری افسر (سول یا ملٹری) یا ''معزز شہری'' کے پاس رہنے کو پُرشکوہ محل (بنگلہ یا کوٹھی) نہ ہوتا جس میں شاندار باغ (لان) اور عالی شان حمام (سوئمنگ پول) اور تفریح گاہ (کلب' کارفارم ہاؤس) ہوتی' یا اگر اس کا دسترخوان (ڈائننگ ٹیبل) اعلیٰ درجے کے کھانوں (ہرن کا گوشت یا باربی کیو) سے نہ سجایا جاتا تو کسی بھی حال میں وہ قابل احترام (civilized) نہ ہوتا اور اسے حقیر و کم نوا (uncivilized) خیال کیا جاتا۔ یہ خرابیاں یہاں تک بڑھیں کہ کل تک جو اشیاء سامانِ آرائش و آسائش میں شمار ہوتی تھیں اب ضروریاتِ زندگی کی فہرست میں داخل سمجھی جانے لگیں اور ان کے حصول کی جدوجہد بالکل اسی طرح ہونے لگی جیسے لوازمِ حیات اور معمول کے استعمال کی اشیاء کے لئے ہو سکتی ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی معاشرہ اپنی زندگی کا معیار اِس حد تک بڑھا لے کہ یہ ہمہ گیر وبا کی شکل اختیار کر جائے تو اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے معیارات تک پہنچنے کے لئے زیادہ سے زیادہ کمائے' کیونکہ یہ تمام لوازم کثیر دولت اکٹھی کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ اہل اقتدار نے اُس وقت دولت سمیٹنے کی جو ترکیبیں نکالی تھیں آج بھی وہی ہیں' فرق صرف اتنا ہے کہ ان کی ہیئت بدلی ہے۔ شہریوں پر بھاری ٹیکسوں کا بوجھ اُس وقت بھی تھا اور آج بھی ہے' جس کے نتیجے میں عوام پر جو مصیبت ٹوٹتی ہے وہ ملک کا معاشی نظام درہم برہم کر کے رکھ دیتی ہے اور اُن کی حالت اس چوپائے کی طرح ہو جاتی ہے جسے اس کا مالک کھانے پینے کے لئے اگر کچھ دے دیتا ہے تو اس کی غرض صرف اتنی ہوتی ہے کہ جانور کام کرتا رہے اور مالک کا لادا ہوا بوجھ ڈھو سکے۔ اس کے علاوہ کرپشن کا کینسر تو اللہ ہی جانتا

ہے کہاں تک مار کر چکا ہے! جب حالات ایسے ہوں اور ظلم و زیادتی' ناانصافی و حق تلفی کے سبب مصائب کی یہ حالت ہو تو پھر کس سے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی' گردن اٹھا کر دوسری دنیا کی طرف دیکھ لے۔ دنیا کی زندگی جب اس طرح بندھنوں میں جکڑی جائے اور وسائل بھی سارے کے سارے کلیتًا ظالموں کے ہاتھ میں ہوں تو پھر سعادتِ اُخروی کا خیال کسے آ سکتا ہے اور کیسے آئے؟

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے!

کسی کو اس بات کا موقع ہی نہیں دیا جاتا کہ اپنی اور اپنے خاندان کی اُخروی بھلائی کے بارے میں کوئی فکر کر سکے اور اس بارے میں کچھ سوچ سکے۔ ان سب باتوں کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے' اور اُس وقت بھی یہی نکلا' کہ معاشرے کا ہر طبقہ اور ہر گروہ فکرِ آخرت سے صدیوں بلکہ قرنوں کی مسافت پر رہ گیا۔ لوگوں کی اس عام بدبختی کا حال یہ تھا کہ بڑے بڑے ممالک کی حدود میں ایک متنفس بھی ایسا نہ ملتا تھا جسے اپنی عاقبت کا خیال آتا ہو' جو دین و مذہب کے بارے میں کچھ سوچتا ہو۔ یہ تو دین کا نقصان تھا۔ دوسری طرف چونکہ عوام سب کے سب اس بات پر مجبور تھے کہ اپنی محنت و مشقت اور صلاحیتیں صرف ایسی اشیاء پر صرف کریں جن کی لوگوں میں کھپت کا سامان ہو سکتا تھا' اور کھپت صرف اُن اشیاء کی تھی جو عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کے سلسلے میں کام آ سکتی ہوں' نمود و نمائش کے لئے استعمال ہو سکتی ہوں' اس لئے ان کی توجہ اُن امور کی طرف سے ہٹ گئی جن کی تکمیل پر ایک صحت مندانہ معاشرہ انحصار کرتا ہے۔ دوسری مصیبت یہ تھی کہ جو لوگ بڑوں کی طرح دادِ عیش دینے پر قادر نہ ہوتے' وہ اپنی ساری توجہ اس بات پر صرف کرتے تھے کہ کسی طرح اُن کے طرزِ زندگی کی نقل اتارنے ہی کے قابل ہو جائیں اور کسی نہ کسی طرح اپنے رہن سہن کو اُن جیسا بنا لیں' یعنی لباس' مکان اور دیگر ضروریاتِ زندگی کو مقبولِ عام معیار کے مطابق بنائیں' کیونکہ اگر ایسا نہ کرتے تو پھر اُن کے لئے معاشرے میں کوئی مقام نہ ہوتا۔

آج کا معاشرہ بھی قریب قریب اسی نہج پر چل رہا ہے۔ عریاں لباس' کھلے بال' زیب و زینت کے سامان کے انبار اور مخلوط محفلوں کا انعقاد اُس زمانے میں بھی تھا اور آج بھی ہے۔ البتہ اضافی اشیاء مثلاً ٹیلی فون کی ایجاد' ریڈیو' سینما گھر' ٹیلی ویژن اور اب انٹرنیٹ نے جنسی بے راہ روی کو بامِ عروج تک پہنچا دیا ہے۔ ان سب اشیاء کے حصول کے لئے انسانی

صلاحیتوں کا اب کہیں زیادہ ضیاع ہو رہا ہے۔ یہ اب ضروریاتِ زندگی میں شمار ہونے لگی ہیں۔ دین کے حوالے سے معاشرے کو جو نقصان اس زمانے میں پہنچا ہے' ماضی میں شاید ہی ایسا ہوا ہو۔ موجودہ دَور کا سب سے بڑا المیہ ہی یہ ہے کہ مسلمان علماء کی اکثریت کے ذہنوں میں دین کا صحیح اور جامع تصور سرے سے ہے ہی نہیں' البتہ مذہب کے نام پر جو کھیل کھیلے جا رہے ہیں انہوں نے ایک طرف تو عوام کو ویسے ہی مذہب سے متنفر کر دیا ہے' دوسری طرف مذہب کے نام پر ہی ایسی ایسی رسومات کا اضافی بوجھ عوام پر ڈال دیا گیا ہے' مثلاً پیدائش اور موت کی رسومات' شادی بیاہ کی رسومات' افطار پارٹیاں' عمرہ و حج پر روانگی اور آمد پر تحائف کا تبادلہ' کہ ان کی تکمیل کے لئے خدا جانے عوام کو کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

اس طرزِ زندگی کے لوازم میں یہ بھی شامل تھا کہ بادشاہوں اور امراء کے دربار ہوتے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے جو اُن کی درباداری کے فرائض انجام دیتے۔ چنانچہ ان کے حاشیہ نشینوں کی ایک فوج تیار ہو گئی۔ اُن کا کام صرف اس قدر تھا کہ بادشاہوں کی شان میں قصیدے کہتے' ان کی تعریف توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے' انہیں اس بات کا یقین دلاتے کہ ہماری زندگیاں آپ کے لئے وقف ہیں' اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھاتے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں عین صواب ہے اور جس ''تہذیب'' کو وہ پھیلا رہے ہیں عین تقاضائے وقت ہے۔ نیز اِن شاہی رسوم و رواج کو رائج کرنے کے سلسلے میں بادشاہوں کو اُن کی خدمت کی ضرورت ہے' ان کی احمقانہ شاہ خرچیوں کی تعریف و توصیف کرتے' اپنی خدمات جتا جتا کر اُن سے انعام و اکرام (تمغے' پلاٹ اور زرعی زمینیں موجودہ دور کی اصطلاحات ہیں) وصول کرتے اور بالواسطہ ملک بھر کے لوگوں کی کمائیوں کو یوں اپنا حصہ بناتے۔ ان میں کچھ شعراء اور پادری اپنے فن کے ذریعے بادشاہ' امراء اور وزراء کو خراجِ عقیدت پیش کرتے اور صلہ پاتے۔ ان کے علاوہ بھی اور لوگ مختلف بہروپ بھرتے اور خود کو اِس طرح بادشاہوں (آج صدر' وزیراعظم' جرنیلوں) کے آگے پیش کرتے کہ وہ انہیں کچھ دینا ضروری خیال کرتے۔ (عصر حاضر میں ایم این اے' ملٹری و سول بیوروکریٹس' صحافی' ترجمان وغیرہ سب اسی زمرے میں شمار ہوتے ہیں)۔

یہ خرابیاں صرف مالی وسائل پیدا کرنے کا سبب ہی نہیں بنیں بلکہ انہوں نے قوم کی اخلاقی قدروں کو بھی مسمار کر دیا۔ معاشرے میں ان کی وجہ سے ایسی اخلاقی بیماریاں پیدا ہونے لگیں جو روز افزوں اور جان لیوا تھیں۔ ان بیماریوں کی موجودگی میں وہ بڑی تیز رفتاری

کے ساتھ نیکی سے دُور ہوتے چلے گئے۔ یہ خرابیاں جب پورے عروج پر پہنچ چکیں تو سارا ملک ایک گندے تالاب میں تبدیل ہو گیا۔ اس تالاب سے سیر ہونے والی زندگیاں جھلستی چلی گئیں اور خدا کی زمین بنجر ہوتی گئی۔

اُدھر مشیت الٰہی نے حالات کو بدلنے کا تہیہ کر لیا تا کہ خدا کے بندوں کو اس عذاب سے جس میں وہ نادانستہ طور پر اور خواہی نہ خواہی مبتلا کر دیئے گئے تھے چھٹکارا ملے۔ خدا جس نے اس کائنات اور اس کے بسنے والوں کو پیدا کیا ہے اس بدنظمی اور شرفِ انسانیت کی اس ارزانی پر راضی نہ تھا اور نہ آج ہے۔ آج کا مسلم معاشرہ گندے تالاب میں تبدیل ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس رحمان و رحیم نے جس طرح اُس حال کو بہتر حال میں بدلنے کا فیصلہ فرمایا اور عالم کے نجات دہندہ کو عرب کی زمین میں وجود بخشا بعینہٖ اسی طرح اپنی سابقہ سنت کے مطابق ان ساری جملہ خرابیوں کے سبب وہ ایسا ہادی بھیجنے پر قادر ہے جس کے ذریعے وہ ایسے حالات پیدا فرمائے گا کہ اس شجرِ خبیثہ کی جڑیں ہی کٹ جائیں جو اِن زہریلے اور کڑوے کسیلے پھلوں کی پیدائش میں ممد و معاون ہے۔ خدا نے اپنے نبی ﷺ کو ایسی حکومت عطا فرمائی جس نے ان بادشاہوں کی حکومتوں کو زوال کا مُنہ دکھایا۔ آپؐ کی ریاست نے ان کی ریاست کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا۔ یہ محض ایک پیشین گوئی نہ تھی کہ:

اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ

یعنی کسریٰ ہلاک ہو گا اور ایسے کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا' اسی طرح قیصریت کو ایسا زوال آئے گا کہ اس کا نام لینے والا بھی کوئی نہ رہے گا۔

بلکہ یہ ایک خدائی فیصلہ تھا جو پورا ہو کر رہا۔ کیا معلوم مہدی کے بارے میں جو پیشین گوئیاں ہیں یہ بھی اللہ کا اسی طرح کا فیصلہ ہو جس سے تمام ملتِ کفر برباد ہو..... مگر اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ عادتیں اور خصائل جو اُس وقت کے معاشرے میں موجود تھے' خدا کی نظروں میں کس قدر غیر پسندیدہ تھے کہ جنہیں مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان ملکوں کی تباہی اور فنا کا فیصلہ فرمایا۔ آج وہ تمام خصائل و عادات' بشمول مسلم معاشرے کے' کہیں زیادہ عروج پر ہیں۔

ادھر ۱۹۸۹ء میں سوویت یونین کے بکھر جانے کے بعد امریکہ دنیا کے نقشے پر واحد سپریم پاور کی حیثیت سے نمودار ہوا ہے۔ اپنی طاقت کے نشے میں اس نے نیو ورلڈ آرڈر کا نعرہ بلند کر رکھا ہے کہ پوری دنیا پر ایک ہی نظام ہونا چاہئے' یعنی سیاسی سطح پر سیکولر جمہوری نظام

اور معاشی سطح پر سود پر مبنی معاشی نظام اور سماجی میدان میں مادر پدر آزاد بے حیا تہذیب.....
یہ گلوبل نظام دراصل شیطان اور اس کے سب سے بڑے ایجنٹ یہود کی انسان کو معاشی غلام اور حیوانِ محض بنانے کی ایک گھناؤنی سازش ہے' جس نے امریکہ سمیت پورے فرنگ کی رگِ جاں کو دبوچا ہوا ہے' گویا ان کی مت ماری ہوئی ہے۔ اور اُن کے خیال میں نیو ورلڈ آرڈر کے یہ جو تین ستون ہیں ان کے نفاذ مین سوائے اسلام اور مسلمانوں کے' دنیا میں کہیں بھی اسے خطرہ نہیں' لہٰذا اسی نعرے کو عملی شکل دینے کے لئے انہوں نے ۱۹۹۰ء میں سب سے پہلا ہدف مسلمانوں ہی کو بنایا۔ چنانچہ عراق کو کویت پر حملے کی ترغیب دی اور اسے یقین دلایا کہ ان کی باہمی جنگ میں امریکہ فریق نہیں بنے گا اور ان کے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔ اس موقع پر صدام حسین سے حماقتِ عظمیٰ کا ارتکاب ہوا کہ اس نے نہ صرف کویت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا بلکہ سعودی عرب کو بھی للکارا۔ امریکہ کے لئے یہ سنہری موقع تھا۔ اس نے تمام عرب ممالک کو عراق کا ہوّا دکھا کر خوفزدہ کر دیا اور اسی عذر کی بنا پر کویت' بحرین' سعودی عرب اور امارات میں بڑی تعداد میں اپنی افواج لے آیا اور یوں اب مسلم ممالک پر غالب آ کر بزورِ بازو سب کچھ حاصل کر رہا ہے۔ اس کے نزدیک منطقی اور عقلی بات یہ ہے کہ کوئی مسلمان ملک عسکری لحاظ سے مضبوط نہ ہو اور جدید ٹیکنالوجی کے قریب بھی نہ پھٹکے' ۵۶ یا ۵۷ مسلم ممالک اور ایک ارب پینتیس کروڑ مسلم عوام سمندر کی جھاگ کی طرح بے وزن اور بے وقعت ہوں' وہ کولہو کے بیل کی طرح جتے رہیں' انہیں جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے جس قدر ضرورت ہو وہ ان کے لئے چھوڑ دیا جائے' باقی تمام خون نچوڑ کر اپنی غالب قوت میں مزید اضافہ کیا جائے۔

عالم اسلام کے بارے میں ان کے عزائم تو یہ ہیں۔ ادھر بحیثیت اُمت ہمارا حال یہ ہے' خصوصاً ہمارے حکمرانوں کا' کہ عالمی شیطانی قوتوں سے ناطہ جوڑنے اور بتوں سے امیدیں وابستہ کرنے کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ کسی ایک ملک میں بھی اسلام کی عملداری ہے نہ اسلامی اقدار کا کوئی لحاظ۔ اللہ کے دین کے ساتھ بے وفائی اور غداری کی روش نہ صرف جاری ہے بلکہ اس معاملے میں ہماری بے باکی اور دیدہ دلیری میں خوفناک حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ قرآن سے دوری' شہادت علی الناس اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے دینی فریضے سے مسلمانانِ عالم کی بے اعتنائی اور بے توجہی کی ایک طویل اور تلخ داستان ہے جس کا ڈراپ سین اب ہونے کو ہے۔ درخت کی جڑوں پر تیشہ رکھا جا چکا ہے۔ اُمت مسلمہ

ذلت و مسکنت کا عذاب تو ایک عرصے سے بھگت رہی ہے' عذابِ الٰہی کا ایک بڑا بھرپور کوڑا مسلمانوں کی پیٹھ پر برسنے کو ہے جس کے آثار قریب نظر آ رہے ہیں۔ ''جن کے رتبے ہیں سوا اُن کی سوا مشکل ہے'' کے مصداق اس کے مستحق مجرمِ اوّل عرب اور مجرمِ ثانی مسلمانانِ پاکستان ہیں —— چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اس جنگ نے پوری اُمت کو ایک ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا ہے جہاں یہ فیصلہ کرنا ناگزیر ہے کہ اُمت کے ہر طبقے کو ذمہ دارانہ اور مخلصانہ طریقے سے اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ سارے خود غرضانہ مفادات سے یکسر الگ ہو کر اور سارے اختلافات بھلا کر اُمت کو بلا تاخیر مجتمع اور صف بستہ ہو کر اور اپنے سارے وسائل بروئے کار لا کر اور مغرب کے ہر سحر سے خود کو آزاد کر کے اس نیو ورلڈ آرڈر کے سیلاب کو روکنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے جس کا واحد مقصد ملتِ اسلامیہ اور اسلامی تاریخ و تمدن کے گہواروں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا ہے۔ مگر دکھ کی بات تو یہ ہے کہ اُمت کی اکثریت کو نہ صرف یہ معلوم نہیں کہ اس کا سیاسی نظام درہم برہم ہو چکا ہے' اس کا اقتصادی نظام ٹوٹ چکا ہے اور اسے متاعِ طیب سے محروم کر دیا گیا ہے' بلکہ اس کو اِس کا بھی ادراک نہیں کہ اس کا روحانی نظام یہودیوں کے نفوذ' تداخل اور حملوں سے درہم برہم ہوتا جا رہا ہے' جس کے اثرات اب ملت کی حیات پر واضح طور پر پڑنے لگے ہیں۔ اس اُمت کا سب سے بڑا المیہ ہی یہ ہے کہ اس کے روحانی نظام کو جو تمام نظاموں کی اصل ہے' تہس نہس کیا جا تا رہا ہے اور اسے اس کی خبر تک نہیں' بلکہ وہ تو اسے درہم برہم کرنے میں اللہ کے دشمنوں کی آلۂ کار بنتی جا رہی ہے۔ ملائکہ' آسمانِ دنیا' ملاءِ اعلیٰ' حافین حول العرش' عرشِ معلیٰ بلکہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس کا رابطہ اگر ٹوٹا نہیں تو کمزور ضرور ہو گیا ہے۔ اب اس کی دعائیں مستجاب نہیں۔ اب کائنات اس کے لئے مسخر نہیں۔ دیگر مخلوق اس کے لئے دعا گو نہیں۔ آج کے مسلمانوں کے قلوب' ان کا جسم' ان کا گھر' ان کا محلّہ' ان کا علاقہ اور ان کا ملک اب شیطان کی آماجگاہ بن چکے ہیں' بلکہ انہوں نے خود کو اس نظام سے ہی الگ کر لیا ہے جو کائنات میں قائم ربانی نظام ہے' جس کے اندر رہنے والوں کو امن نصیب ہوتا ہے اور جہاں سکینت نازل ہوتی ہے۔

دینی کیفیت

تاریخ ادیان و ملل شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور پر تقریباً چھ صدیاں گزر چکی ہیں۔ معمورۂ عالم خدا کے پیغمبروں کی معرفت حاصل کی ہوئی صداقتِ حق کو فراموش کر چکا

ہے۔تمام نوعِ انسانی خدا کی بجائے مظاہر پرستی میں مبتلا ہے اور ہر قوم اور ہر ملک میں نوعِ انسانی سے لے کر نوعِ جمادات تک کی پرستش سرمایۂ نازش بنی ہوئی ہے۔کوئی انسان کو اوتار (خدا) کہہ رہا ہے تو کوئی خدا کا بیٹا۔اگر ایک گروہ مادہ پرست ہے تو دوسرا خود اپنی آتما (روح) کو ہی خدا سمجھ رہا ہے۔سورج کی پوجا ہے' چاند اور ستاروں کی پرستش ہے۔حیوانوں' درختوں اور پتھروں کی عبادت ہے۔آگ' پانی' ہوا اور مٹی کے سامنے ناصیہ فرسائی ہے۔ غرض کائنات کی ہر شے پرستش اور پوجا کے لائق ہے اور نہیں ہے تو ذاتِ واحد قابلِ پرستش نہیں ہے۔نہ اس کی احدیت کا تصور خالص ہے اور نہ صمدیت کا۔اگر اس کو مانا بھی جاتا ہے تو دوسروں کی پرستش اور عبادت کے ذریعے۔وہ اگر خالق موجودات ہے تو دوسروں کے واسطے اور احتیاج کے ساتھ۔مادہ' روح اور ترکیب سب ہی باتوں کا محتاج ہے۔اگر وہ مالکِ موجودات ہے بھی تو انسان' درخت' پتھر کے بل بوتے پر۔غرض ساری دنیا میں اصل کارفرمائی مظاہر کی تھی اور ذاتِ حق صرف ''نام'' کے لئے۔حقیقت سے چشم پوشی تھی مگر مجاز کے ساتھ ذوقِ عشق۔''ذاتِ حق'' سے بُعد تھا مگر مظاہر سے قربت سرمایۂ سعادت تھا۔خالق سے بے گانگی تھی مگر مخلوق کی عبادت گزاری شعارِ عام تھا۔

(۱) مسیحیت

مسیحی علماء اپنے مذہب کو محبت اور صلح و آشتی کا مذہب کہتے ہیں اور اُن کے مؤرخوں نے ہمیشہ اسلام پر طعن کیا ہے کہ یہ فوجی قوت کے ذریعے پھیلا ہے۔لیکن ابتدائی مسیحی دَور کے چند برس چھوڑ کر اس مذہب کی تاریخ پر نظر ڈالئے تو صاف نظر آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی تعلیمات سے منحرف ہو جانے کے بعد مسیحیت کو جنگ باز اور طاقت آزما بادشاہوں اور آمروں کی بدولت ہی فروغ نصیب ہوا ہے۔اس مذہب کو امراء نے پہلے اختیار کیا اور عوام اُن کے جبر و استبداد اور فوجی طاقت سے مغلوب ہو کر اس کے دائرے میں داخل ہوئے۔ ۳۷۵ء میں روم کے شہنشاہوں نے مسیحیت کو سرکاری مذہب قرار دینے کے بعد اس کی اشاعت کے لئے بھرپور طاقت استعمال کی۔شمالی عرب کی سرحدی ریاستوں کو انہوں نے اسی وقت تسلیم کیا جب وہاں کے امراء عیسائی ہو گئے۔حکومت نے اپنے تمام مقبوضات میں مسیحیت کی وہی تحریفی شکل رائج کی جو یہودی مبلغ پال نے تصنیف کی تھی۔جب تک سلطنت روم کی مرکزیت قائم رہی اور اس کو فوجی استحکام نصیب رہا یہ مذہب چلتا رہا' لیکن فارس سے

پے در پے شکستوں کے بعد رومی اقتدار میں تنزل پیدا ہوتے ہی مسیحیوں کے داخلی اختلافات نے سر اٹھایا اور یوں مسیحیت کے بنیادی عقائد پر بحث کے دروازے کھل جانے سے رومی مقبوضات میں خاص طور پر اس دین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے۔ مصر، فلسطین، شام، حبشہ، یمن، نجران میں بڑی بے یقینی کی کیفیت تھی۔ لوگ تلاشِ حق میں تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اصل تعلیم کیا دی تھی جس کو یونانی فلسفیوں کی موشگافیوں نے گورکھ دھندا بنا کر رکھ دیا ہے۔ عربی النسل عیسائیوں میں تلاشِ حق کا جذبہ فطری تھا۔ شام کے عیسائی اپنے یونانی اور رومی پڑوسیوں کی طرح ذاتِ خداوندی کی ماہیت پر غور وفکر میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ وہ تو یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ خدا انسان سے چاہتا کیا ہے۔ اس سیدھے سادے سوال کا جواب چھٹی صدی کی مسیحیت کے پاس نہ تھا۔ یہ مذہب تو عملاً ایک استبدادی فوجی طاقت کے نظریاتی حربے سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا کہ ظالم و جابر حکمرانوں کو تحفظ دے۔ عوام کی روزمرہ زندگی اور ان کے عام مسائل کا حل اس زمانے کی مسیحیت کے پاس موجود نہ تھا اور نہ ہی آج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپ اور امریکہ میں حقوقِ انسانی کا پُرزور ڈھنڈورا پیٹنے کے علی الرغم ہزاروں کی تعداد میں عیسائی ہر سال قبولِ اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں، حالانکہ ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعے کے بعد دہشت گردی کا لیبل مسلمانوں اور اسلام پر چسپاں کرنے پر یہود و ہنود اور نصاریٰ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

(۲) یہودیت

یہودی مذہب کا حال یہ تھا کہ وہ محض ریاکاری اور تحکم بن گیا تھا۔ یہودی پیشوا اللہ کی جگہ خود ربّ بن بیٹھے تھے۔ لوگوں پر اپنی مرضی چلاتے تھے اور ان کے دلوں پر گزرنے والے خیالات اور ہونٹوں کی حرکات تک کا محاسبہ کرتے تھے۔ ان کی ساری توجہ اس بات پر مرکوز تھی کہ کسی طرح مال و ریاست حاصل ہو خواہ دین برباد ہی کیوں نہ ہو اور کفر و الحاد کو فروغ ہی کیوں نہ حاصل ہو، اور ان تعلیمات کے ساتھ تساہل ہی کیوں نہ برتا جائے جن کی تقدیس کا اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو حکم دیا ہے اور جن پر عمل درآمد کی ترغیب دی ہے۔

(۳) مجوسیت

جس طرح سلطنت روما میں رائج مسیحیت کو عیسیٰ مسیحؑ کی اصل تعلیمات سے کوئی واسطہ

نہ تھا اسی طرح فارس کے سرکاری دین مجوسیت کو اگرچہ زرتشت کی تعلیمات سے منسوب کیا جاتا تھا مگر زرتشت کی تعلیمات بھی دین عیسوی کی طرح بہت جلد مسخ ہو چکی تھیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء ورُسل نے انسانوں پر انسانوں کی حکمرانی کو نہ کبھی جائز قرار دیا ہے نہ اس کو تسلیم کیا ہے' لیکن جب ان کی دی ہوئی ہدایات میں تحریف ہوئی تو دین کو استبداد اور آمریت کا آلۂ کار بنایا گیا' جو آج تک موجودہ دور کی مہذب دنیا میں جاری وساری ہے۔ جہاں تک زرتشت کی اصل تعلیمات کا تعلق ہے وہ آج دنیا میں موجود تو نہیں البتہ اس سے منسوب جو اقوال اوستا اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں ان میں کہیں کہیں حقیقی ہدایت کی جھلک نظر آتی ہے۔ لیکن تیسری صدی عیسوی میں ہدایت الٰہی کے وہ دھندلے سے نقوش بھی مجوسیت سے محو ہو چکے تھے۔ بابل ونینوا کی قدیم کواکب پرستی نے مذہب پر غلبہ پالیا تھا اور اس پر زنگ کی ایک اور تہہ ایرانی مفکر مانی نے چڑھائی۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور پال کی ایجاد کردہ مسیحیت سے متاثر ہو کر اپنے یہاں بھی ثنویت کا عقیدہ عام کر دیا۔ اس عقیدے کے تحت دین اور دنیا دو جداگانہ دائرے بن گئے۔ دین ایک فرد کا نجی معاملہ بن کر رہ گیا اور انسانی معاشرے کے اجتماعی امور سے اس کا کوئی تعلق باقی نہ رہا' جس کا پرچار صدیاں بیت جانے کے بعد بھی آج اُسی شدّومدّ سے کیا جا رہا ہے۔ البتہ معاشرے میں ظلم و جور کو پروان چڑھانے والے حکمرانوں کو پروانۂ راہداری اُس وقت بھی جاری کیا جاتا رہا ہے اور آج بھی کیا جا رہا ہے۔ مذہب کی اس بگڑی ہوئی شکل پر مزدکیت نے تازیانے کا کام کیا۔ یہ عیاشی کا مذہب تھا جس کے تحت ہر عورت ہر مرد کے تصرف میں آ سکتی ہے۔ پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں ایران کے حکمران طبقے میں یہ مکروہ مذہب پوری طرح رائج ہو چکا تھا۔ اخلاقی مفاسد اِس قدر پھیل چکے تھے کہ بہن اور بیٹی کی حرمت بھی باقی نہ رہی تھی۔ خود شہنشاہ یزدگرد نے اپنی بیٹی سے شادی رچائی۔

(۴) ہندوازم

مذکورہ بالا کیفیت تو اُس زمانے کی متمدن دنیا پر دو غالب قوموں کی تھی' ان کے علاوہ تہذیب وتمدن کے اعتبار سے اگر کوئی خطہ قابل ذکر تھا تو وہ ہندوستان تھا۔ لیکن وہ سیاسی اور معاشی لحاظ سے روم وفارس سے بھی گیا گزرا تھا۔ برہمن ازم کے نسل پرستانہ نظام کے تحت وہاں انسانوں پر جو مظالم عام ہو گئے تھے ان کے خلاف مہاتما بدھ کی تحریک زیادہ دیر نہ چل سکی۔ پانچویں صدی عیسوی تک برہمنیت کے عفریت نے بدھ مت کے رہے سہے آثار ختم کر

دیئے تھے۔ ذات پات کی تفریق اتنی بھیانک ترین شکل اختیار کر چکی تھی کہ برہمن پجاری اور پروہت مذہب کے نام پر عوام کو لوٹ رہے تھے۔ اعلیٰ ذات کے مَردوں کے لئے نیچی ذات کی ہر عورت سے زنا جائز تھا۔ اچھوت کسی اعلیٰ ذات والے کو چھو لیتا تو موت کی سزا کا حق دار تھا۔ قانون یہ تھا کہ نیچ ذات کا کوئی آدمی اونچی ذات والے پر ہاتھ اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے' اس کے سامنے زبان کھولے تو وہ گدی سے کھینچ لی جائے۔ عقیدے کی بنیاد پر اس طبقہ بندی نے ایک طرف انتہائی مستبدانہ سیاسی نظام کو فروغ دیا تو دوسری طرف بدترین معاشی استحصال کی راہیں کھول دیں۔ یہ ساری خرابیاں موجودہ بھارت میں بھی جاری وساری ہیں' مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ پاکستان میں رائج موجودہ جاگیردارانہ نظام نے بھارت کے برہمن ازم کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جاگیردار چاہے خان ہو' چوہدری ہو' وڈیرہ ہو' سردار ہو یا سید زادہ ہو' عوام کے معاشی استحصال کے علاوہ نیچی ذات کی عورتوں کی عصمت وعفت بھی اس کے ہاتھوں محفوظ نہیں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اُس وقت متحدہ ہندوستان میں عقیدے کی بنیاد پر طبقہ بندی تھی مگر پاکستان میں تو آج سب مسلمان بستے ہیں' لیکن جاگیرداری کے نسل پرستانہ نظام کے تحت آج بھی انسانوں پر وہ مظالم ڈھائے جا رہے ہیں کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج کا سید زادہ اُس وقت کے برہمن کی صورت اختیار کر چکا ہے۔

(۵) دین ابراہیمی

عام باشندگانِ عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کے نتیجے میں دین ابراہیمی کے پیرو تھے۔ صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر کاربند تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اگرچہ انہوں نے خدائی درس ونصیحت کا ایک حصہ بھلا دیا تھا' پھر بھی ان کے اندر توحید اور کچھ دین ابراہیمی کے شعائر باقی تھے' تا آنکہ بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن لحی منظر عام پر آیا۔ اس کی نشو ونما بڑی نیکوکاری' صدقہ وخیرات اور دینی امور سے گہری دلچسپی پر ہوئی تھی اس لئے لوگ اسے محبت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اسے اکابر علماء اور افاضل اولیاء میں سے سمجھ کر اُس کی پیروی کرتے تھے۔ پھر اس شخص نے ملکِ شام کا سفر کیا۔ دیکھا تو وہاں بُتوں کی پوجا کی جا رہی تھی۔ اس نے سمجھا کہ یہ بھی بہتر ہے اور برحق ہے' کیونکہ ملکِ شام پیغمبروں کی سرزمین اور آسمانی کتابوں کی نزول گاہ تھی۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھ ہبل بُت بھی لے آیا اور اسے خانہ کعبہ کے اندر نصب کر دیا اور اہل مکہ کو اللہ کے ساتھ شرک کی دعوت دی۔

اہل مکہ نے اس پر لبیک کہا۔ اس کے بعد بہت جلد باشندگانِ حجاز بھی اہل مکہ کے نقشِ قدم پر چل پڑے' کیونکہ وہ بیت اللہ کے والی اور حرم کے باشندے تھے اور انہیں مرکزِ دین کا قائد و پاسبان بھی تصور کیا جاتا تھا۔ اس طرح عرب میں بُت پرستی کا آغاز ہوا۔

ہبل کے علاوہ عرب کے بڑے بڑے اور قدیم بُتوں میں لات' منات اور عزیٰ بھی تھے۔ اس کے بعد حجاز کے ہر خطے میں شرک کی کثرت اور بُتوں کی بھرمار ہوگئی اور یوں شرک اور بُت پرستی اہل جاہلیت کے دین کا سب سے بڑا مظہر بن گئی جنہیں عزّہ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ آج ہمیں بھی عزّہ ہے کہ ہم دینِ محمدیؐ پر ہیں' مگر صورتِ حال یہ ہے کہ ہمارے اندر بھی کئی عمرو بن لحی موجود ہیں جنہوں نے مختلف شکلوں میں شرک کی آمیزش کر کے کروڑوں کلمہ گو مسلمانوں کو مشرکین مکہ کی صف میں لا کھڑا کیا ہے' خصوصاً برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے مزاروں' مقبروں اور خانقاہوں کی شکل میں بڑے بڑے بُت عطا کئے ہیں اور انہیں گمراہی کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ کہیں نظام الدینؒ کے مزار کی شکل میں ہبل موجود ہے تو کہیں راوی کے کنارے داتا گنج بخش (علی ہجویریؒ) کا مزار منات کا تصور پیش کر رہا ہے۔ وادی پوٹھوہار میں بری امام کا مزار لات کی شکل میں موجود ہے تو وادیٔ مہران میں شہباز قلندرؒ کا مزار عزیٰ کا نظارہ پیش کر رہا ہے۔ ان کے علاوہ قوم نوح کے بت ودّ' سواع' یعوق' یغوث اور نسر تو ہر ہر قریہ اور ہر ہر گاؤں میں موجود ہیں' جن کی پوجا پاٹ اور مراسم عبودیت اسی طرح رائج ہیں جس طرح مشرکین عرب میں بُت پرستی کے خاص طریقے اور مراسم رائج تھے۔ جس طرح آج ہم شریعت محمدیؐ سے کوسوں دور ہیں' وہ بھی عمرو بن لحی کی اختراعات کو دینِ ابراہیمی میں تبدیلی نہیں بدعتِ حسنہ ہی سمجھتے تھے۔

(i) مشرکینِ عرب بتوں کے پاس مجاور بن کر بیٹھتے تھے' ان کی پناہ ڈھونڈتے تھے' انہیں زور زور سے پکارتے تھے اور حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے ان سے فریاد اور التجائیں کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کے پاس ہماری مراد پوری کرا دیں گے۔ آج کے مسلمان بھی' خصوصاً پاک و ہند میں رہنے والے' مزاروں' آستانوں اور خانقاہوں کو وہی درجہ دیتے ہیں اور وہی تصور رکھتے ہیں کہ صاحبِ قبر ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کے اہل ہیں اور اللہ سے سفارش کر کے ہماری مرادیں پوری کرائیں گے۔ چنانچہ ہمارے ہاں عوام الناس میں یا داتا' یا بری' یا باہو' یا لال قلندر' یا فرید وغیرہ کی صدائیں اور ندائیں عام ہیں۔

(ii) وہ بھی بتوں کے لئے نذرانے اور قربانیاں پیش کرتے اور قربانی کے جانور کبھی بُتوں کے آستانوں پر جا کر ذبح کرتے تھے اور کبھی کسی دوسری جگہ بُتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ آج ہمارے ہاں بھی آستانوں کی رونق انہی نیاز کے جانوروں سے دوبالا ہے اور ان جانوروں کی دیکھ بھال اور نشوونما پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے جو کسی پیر فقیر کے نام پر دیئے ہوں۔

(iii) مشرکینِ عرب بتوں کا طواف کرتے تھے' ان کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتے تھے اور انہیں سجدہ کرتے تھے۔ مسلمان ان سے دو ہاتھ آگے ہیں۔ یہ تو قبروں کے علاوہ پیروں' مرشدوں' گدی نشینوں' سجادہ نشینوں کے ہاتھ پاؤں بھی چومتے ہیں۔ مسلم ممالک میں بعض جگہوں خصوصاً ایران اور عراق میں تو میتوں کو دفن کرنے سے پہلے مزاروں اور خانقاہوں کے گرد طواف کرایا جاتا ہے۔

(iv) بُتوں کے تقرب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ مشرکین اپنی صوابدید کے مطابق اپنے کھانے پینے کی چیزوں اور اپنی کھیتی اور چوپائے کی پیداوار کا ایک حصہ بُتوں کے لئے خاص کر دیتے تھے۔ ہماری دیہی آبادی کا بیشتر حصہ اس وقت اسی شرک میں مبتلا ہے۔ پیروں اور خانقاہوں کے نام پر خریف اور ربیع کی فصل میں سے کچھ حصہ علیحدہ رکھ لیا جاتا ہے۔ پھر ان چوپاؤں اور کھیتی کے اندر مختلف قسم کی نذریں اور نیازیں مانی جاتی ہیں' مثلاً گیارہویں شریف وغیرہ۔

مشرکین عرب فال گیری کے لئے تیر استعمال کرتے تھے' جبکہ موجودہ دَور میں طوطے اور کارڈوں کو فال گیری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یا حروفِ تہجی پر مشتمل فال نامے ہیں۔ جیسے وہ کاہنوں' عرافوں اور نجومیوں کی خبروں پر ایمان رکھتے تھے' دورِ حاضر میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد تعویذ گنڈوں پر یقین رکھتی ہے اور ''محبوب کو اپنے قدموں پر گرانے'' کے لئے ایسے ہی بے شمار شعبدہ بازوں کے ہتھے چڑھتی ہے۔

یہ تھے اہل جاہلیت کے عقائد و اعمال جو کم و بیش مختلف صورتوں میں موجودہ معاشرے میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جیسے اُن کے اندر دینِ ابراہیمی کی کچھ باقیات تھیں ـــــ چنانچہ وہ بیت اللہ کی تعظیم کرتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے' حج و عمرہ ادا کرتے تھے' عرفات اور مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور ہدی کے جانوروں کی قربانی کرتے تھے ـــــ ہم بھی یہ سب کچھ کرتے ہیں' چاہے قرعہ اندازی میں رشوت دے کر اپنا نام فہرست میں شامل کروائیں یا رشوت لے کر لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالیں' بلیک مارکیٹنگ' جوئے

سٹے' لاٹری یا گھوڑوں کی ریس سے جیتا ہوا سرمایہ ہی کیوں نہ استعمال کریں' حاجی کہلوانے کا ہمیں بھی شوق ہے۔ یہاں تک کہ حکومتی زکوٰۃ فنڈ سے نکلوائی ہوئی رقوم اہل اقتدار و اختیار عمرے ادا کرنے کے لئے استعمال کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ اور اب تو ''طبقۂ اشراف'' اپنی نجی محفلوں میں جہاں اپنے آپ کو مختلف دنیاوی پہلوؤں سے متعارف کراتا ہے وہاں بچوں کے بیکن ہاؤس سکولز میں زیر تعلیم ہونے کے علاوہ عمرہ ادا کرنے کا بھی خصوصی ذکر کرتا ہے۔

مشرکین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کا بھی غرہ تھا۔ حرم کے پاسبان' بیت اللہ کے والی اور مکہ کے باشندے ہونے کے ناطے کوئی شخص ان کا ہم مرتبہ نہیں ہو سکتا تھا اور نہ کسی کے حقوق ان کے حقوق کے مساوی ہو سکتے تھے۔ آج کے عجمی سید زادوں' ہاشمیوں' مخدوموں کو بھی یہی غرہ ہے۔ وہ بھی اپنے آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد ہونے کے ناطے کسی بھی غیر سید کو اپنا ہم مرتبہ نہیں سمجھتے اور نہ ہی کسی غیر سید کے حقوق ان کے حقوق کے مساوی ہو سکتے ہیں' چاہے وہ پرلے درجے کے بدمعاش' غنڈے' شرابی اور زانی ہی کیوں نہ ہوں۔

غرضیکہ جس وقت اسلام کا نیّر تاباں طلوع ہوا ہے' یہی مذاہب و ادیان تھے جو اُس وقت کی دنیا میں پائے جاتے تھے' لیکن سارے کے سارے آج کی طرح شکست و ریخت سے دوچار تھے۔ طولِ زمانہ کے سبب مکارمِ اخلاق میں ضعف پیدا ہو چکا تھا جس نے آج کی اصطلاح میں کرپشن کا روپ دھار لیا تھا۔ ان کی اجتماعی' سیاسی' معاشرتی اور دینی زندگی پر نہایت گہرے اثرات مرتب ہوئے تھے۔ چنانچہ طبقۂ اشرافیہ میں آج کی طرح مَرد عورت کا تعلق خاصا ترقی یافتہ تھا۔ جس طرح اُس زمانے میں عورت کو کچھ خود مختاری حاصل تھی' اس کی بات مانی جاتی تھی' آج کے دَور میں بھی آزادیٔ نسواں کا نعرہ لگانے والوں نے عورت کو بازار کی زینت بنا رکھا ہے۔ مَرد اور عورت کے اختلاط کی جس طرح اُس زمانے میں کئی صورتیں تھیں آج بھی اس سے کئی گنا زیادہ شکلیں ہیں جنہیں بدکاری' بے حیائی اور فحش کاری و زنا کاری کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتماعی حالت ضعف و بے بصیرتی کی پستی میں گری ہوئی تھی۔ جہل اپنی طنابیں تانے ہوئے تھا اور خرافات کا دَور دورہ تھا۔ لوگ آج کی طرح جانوروں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔ عورت بیچی اور خریدی جاتی تھی اور بعض اوقات اُس سے مٹی اور پتھر جیسا

سلوک کیا جاتا تھا۔ قوموں کے باہمی تعلقات کمزور' بلکہ ٹوٹے ہوئے تھے اور حکومتوں کے سارے عزائم آج کے حکمرانوں کی طرح رعایا سے خزانے بھرنے یا مخالفین پر جبر و تشدد کرنے تک محدود تھے۔ فقر اور بھوک کی وبا عام تھی اور عوام ضروری کپڑوں اور لباس سے بھی بڑی حد تک محروم رہتے تھے۔ نتیجتاً ایک طرف مادہ پرستی اور دوسری طرف معاشی کشمکش کی دوہری لعنت میں گرفتار تھے۔

نتیجہ بحث

تہذیب حاضر جسے آرنلڈ جے ٹائن بی نے دورِ حاضر اور اقبال نے عالمِ پیر کہا ہے' آخری اور فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ مرحلہ اِس کی موت یا نشاۃِ ثانیہ میں سے کسی ایک کا فیصلہ کر دے گا۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ نظامِ شر کا اتنا ہمہ گیر عمل دخل جیسا کچھ آج کل ہے' تاریخ انسانی میں شاید ہی دیکھا گیا ہے۔ شیطان کا پیدا کردہ فساد شش جہات بلکہ انفس و آفاق کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ خشکی' تری' فضائے بسیط' جہان ہائے نباتات وحیوانات و جمادات' نسل' اخلاق' جسم و روح شاید ہی کوئی چیز اس کی شکست و ریخت سے محفوظ ہو۔ ہر کوئی دو نیم' ہر کوئی نیم جان' ہر شے فساد زدہ ہو چکی ہے۔ مغرب کی خلق کردہ تہذیبِ حاضر اِسی نظامِ شر کی نمو ہے جس کا فساد انسانی زندگی کے ہر انفرادی اور اجتماعی پہلو کو بری طرح متاثر کر رہا ہے' بلکہ نسل انسانی کی فلاح کے تعلق سے خطرہ یہ ہے کہ اگر معاصر دنیا کے انسان' خواہ وہ کسی معاشرے سے تعلق رکھتے ہوں' اسی روش پر چلتے رہے جس کی قدریں یہ شیطانی یا جاہلی نظام متعین کرتا ہے تو بہت جلد یہ دنیا روحانی' طبعی' نفسیاتی' سیاسی' معاشی' معاشرتی' تہذیبی' ثقافتی اور اخلاقی طور پر چند جباروں یا ایک جباریت کی صد فیصد غلام ہو کر رہ جائے گی اور لوگوں کے جملہ نجی اور اجتماعی حقوق براہِ راست یا بالواسطہ سلب کر لئے جائیں گے اور خدا نا آشنا ظالم افراد کی ایک مختصر جمعیت ان پر چنگیزی کے ساتھ حکومت کرے گی۔ لیکن خدا کی رحمت سے نبوت کی ہدایت دنیا میں موجود ہو چکی ہے۔ لہٰذا جس قدر نوعِ انسانی اپنے مختلف گروہوں کی باہمی دشمنیوں اور رقابتوں کی وجہ سے اپنی ہلاکت اور بربادی سے قریب آتی جائے گی وہ اسی قدر زیادہ اس بات پر مجبور ہو گی کہ اس خطرناک صورتِ حال کا کوئی مؤثر اور کامیاب علاج تلاش کرے ——— اور اس کا مؤثر اور کامیاب علاج اسے صرف تعلیمِ نبوت میں ہی مل سکے گا جو انسان کی خوش قسمتی سے پہلے ہی موجود ہے' مگر اس کی

تجدید' نفاذ اور حکمت عملی کے لئے کسی باصلاحیت مردِ مؤمن یا میر کارواں کی ضرورت ہے جو سنت اللہ یعنی خدائی قانونِ ہدایت وضلالت سے مطابقت رکھتا ہو۔

مزید برآں' اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے بعد نوعِ انسانی کی فلاح کے لئے جو ضابطۂ حیات یعنی دین انبیاء ورُسل کی وساطت سے اس دنیا میں بھیجا' اس کی حفاظت واستحکام کے لئے جو انتظامات کئے ہیں اُن میں مجددین کے ظہور کا بھی انتظام وانصرام ہے جو اِس ضابطۂ حیات (دین) پر پڑے گردوغبار کو صاف کردیں گے۔ازروئے حدیث نبویؐ:

((اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا)) (ابوداؤد' کتاب الملاحم)

اور بقول علامہ اقبال ؎

خضرِ وقت از خلوتِ دشت حجاز آید بروں
کارواں زیں وادیٔ دور و دراز آید بروں!

''عقل پر پردہ''

مختلف شہروں کے سفر کے دوران ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کئی مقامات پر مسجدوں کا رخ شمال کی طرف اور کئی مقامات پر جنوب کی طرف ہے' حالانکہ درحقیقت پاکستان کی تمام مساجد کا رخ مغرب کی طرف ہے۔ یہ فریب نظری کا مرض ہے جس سے آدمی کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔اسی طرح عملی زندگی کے دیگر معاملات میں بھی وہ فریب نظر کا شکار ہو کر سنگین غلطیاں کرنے لگتا ہے۔اس خطرناک بیماری سے کیسے نجات پائی جائے؟اس کے لئے ہمارے کتابچے ''عقل پر پردہ'' کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔(قیمت: دس روپے)

قرآن کے تین کمالات

مغرب کی مادی ترقی کی چکاچوند سے مرعوب ہو کر اس کی نقالی کو ہم اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہیں۔نتیجتاً آج ہم آزاد ہونے کے باوجود دورِ غلامی سے بھی بدتر کیفیت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔اگر ہم اپنے زاویہ نگاہ میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے قرآن ایسی زندہ اور مبارک کتاب کی طرف لوٹ آئیں تو ہمیں اس میں تین ایسے سنہری اصول ملیں گے جن کی رہنمائی میں ہم عظمت رفتہ کو بھی بازیافت کر سکتے ہیں اور پھر سے دنیا بھر کی امامت کے مقام پر بھی فائز ہو سکتے ہیں۔تفصیلات کے لئے ''قرآن کے تین کمالات'' کا مطالعہ فرمائیں۔ (قیمت: تیس روپے)

ملنے کا پتہ: (۱) گوھر پبلیکیشنز' تیسری منزل راجپوت مارکیٹ' اردو بازار لاہور
(۲) اظہار سنز' ۱۹۔اردو بازار' لاہور
(۳) ادارہ منشورات اسلامی' بالمقابل منصورہ گیٹ ملتان روڈ لاہور

مسلمان کا طرزِ حیات (۳۸)

علامہ ابوبکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق کتاب

"مِنهاجُ المسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العبادات

پہلا باب

طہارت

اس میں تین مواد ہیں:

۱) طہارت کا حکم اور اس کی اقسام

طہارت کا حکم:

مسلمان پر طہارت کا حصول واجب ہے۔ اس کی دلیل قرآنِ مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ﴾ (المائدۃ:٦)

"اگر تم ناپاک ہو تو پاکیزگی حاصل کرو (یعنی غسل جنابت کرو)۔"

نیز ارشاد ہے:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۞﴾ (المدثر:٤)

"اپنے لباس کو پاک رکھیے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۞﴾ (البقرۃ:٢٢٢)

"اللہ تعالیٰ بکثرت توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ)) (۱) ''نماز کی کنجی پاکیزگی (وضو) ہے۔''

نیز فرمایا:

((لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ)) (۲) ''بغیر پاکیزگی (وضو) کے نماز قبول نہیں ہوتی۔''

اور ارشاد فرمایا:

((اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ)) (۳) ''پاکیزگی نصف ایمان ہے۔''

طہارت کی اقسام

طہارت کی دو قسمیں ہیں: طہارتِ ظاہری اور طہارتِ باطنی۔ طہارتِ باطنی سے مراد نفس اور دل کو پاک کرنا ہے۔ یعنی نفس کو گناہ اور معصیت کے اثرات سے پاک کیا جائے۔ اس کا طریقہ گناہ اور معصیت کے تمام کاموں سے پکی اور سچی توبہ کرنا ہے۔ دل کی پاکیزگی یہ ہے کہ اسے شرک، شک، حسد، کینہ، بغض، تکبر، خود پسندی، ریاکاری اور شہرت وغیرہ کی نجاستوں سے پاک کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اخلاق، یقین، نیکی سے محبت، بردباری، سچائی اور تواضع کی صفات اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ہر نیک کام میں صرف اللہ کی رضا کے حصول کو اپنا مقصود بنایا جائے، یعنی نیت کی اصلاح ضروری ہے۔

طہارتِ ظاہری کی دو قسمیں ہیں:

ظاہری نجاست سے طہارت اس طرح حاصل کی جاسکتی ہے کہ نمازی کے لباس، بدن اور نماز کی جگہ سے نجاست کو پاک پانی کے ذریعے دور کر دیا جائے۔ حکمی نجاست سے طہارت کا طریقہ وضو، غسل اور تیمم ہے۔

۲) طہارت کس چیز کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے؟

(۱) **مطلق پانی:** اس سے مراد ایسا پانی ہے جو اپنی اصلی حالت پر قائم ہو، یعنی اس میں کوئی ایسی نجس یا ناپاک چیز نہ مل گئی ہو جو عام حالات میں اس میں ملی ہوئی نہیں ہوتی۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء۔ وجامع الترمذی، ابواب الطهارة، باب ما جاء ان مفتاح الصلاة الطهور۔ وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب مفتاح الصلاة الطهور۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل الوضوء۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل الوضوء۔

کنوئیں، چشمے اور دریا کا پانی، اسی طرح پگھلتی ہوئی برف سے حاصل ہونے والا پانی اور نمکین سمندروں کا پانی سب ''مطلق پانی'' کی صورتیں ہیں۔ اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا﴾ (الفرقان:٤٨)

''اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیا۔''

اور آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے:

((اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ اِلَّا اَنْ يُّتَغَيَّرَ رِيْحُهُ اَوْ طَعْمُهُ اَوْ لَوْنُهُ بِنَجَاسَةٍ تَحْدُثُ فِيْهِ))(١)

''پانی پاک کرنے والا ہے، اِلّا یہ کہ اس میں کوئی نجاست گر جائے جس سے اس کی بُو، یا ذائقہ، یا رنگ تبدیل ہو جائے۔''

(۲) پاک مٹی: اس سے مراد سطحِ زمین پر پائی جانے والی خاک کی ہر صورت ہے، خواہ وہ مٹی ہو، یا ریت، یا پتھر، یا کلر شور۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا))(٢)

''میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک کرنے والی بنا دیا گیا ہے۔''

مٹی سے طہارت اُس وقت حاصل کی جا سکتی ہے جب پانی نہ ملے یا کسی بیماری وغیرہ کے عذر کی وجہ سے پانی استعمال نہ کیا جا سکے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا .....﴾ (النساء:٤٣)

''تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو۔''

فرمانِ نبویؐ ہے:

((اِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ، فَاِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ))(٣)

---

(١) بیہقی، کتاب الطهارة، باب نجاسة الماء الكثير اذا غيّرته نجاسته۔ اس کی سند ضعیف ہے، لیکن یہ مسئلہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

(٢) صحيح البخاري، كتاب التيمم، باب ١۔ وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب ١۔ حدیث کے مذکورہ بالا الفاظ صحیح بخاری کے مطابق ہیں۔ مسند احمد، ٢/٢٢٢۔

(٣) جامع الترمذي، ابواب الطهارة، باب التيمم للجنب اذا لم يجد الماء۔

''پاک مٹی مسلمان کے لئے پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اگرچہ اسے دس سال پانی نہ ملے۔ پھر جب اسے پانی ملے تو اسے اپنے جسم پر لگائے۔''

ایک بار رات کو شدید سردی تھی۔ حضرت عمرو بن عاص ﷺ کو غسل کی حاجت پیش آ گئی۔ انہیں محسوس ہوا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کیا تو جان چلی جانے کا خطرہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے تیمم کر لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو حضور ﷺ نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ (۱)

۳) نجاست کی وضاحت

نجاست سے مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کے آگے یا پیچھے کے راستے سے خارج ہوتی ہے' مثلاً پیشاب' پاخانہ' مذی' ودی' منی۔ اس کے علاوہ جس جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا اس جانور کا پیشاب اور لید' گوبر وغیرہ بھی نجاست میں شامل ہے۔ زیادہ مقدار میں خون' پیپ' اور وہ قے جس میں کھانے کی حالت تبدیل ہو چکی ہو' یہ سب اشیاء بھی نجاست میں شامل ہیں۔ ہر قسم کا مردار یا مردار کے جسم کا کوئی حصہ بھی نجس ہے۔ البتہ مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((أَيُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ)) (۲)

''جو چمڑا رنگ لیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔''

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب التیمم' باب اذا خاف الجنب علی نفسه المرض او الموت او خاف العطش تیمم۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب طهارة جلود المیتة بالدباغ۔ اس روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جب چمڑا رنگ لیا جائے.....'' مذکورہ بالا الفاظ جامع ترمذی کے ہیں۔ دیکھئے کتاب اللباس' باب ما جاء فی جلود المیتة اذا دُبغت

قضائے حاجت کے آداب

۱) قضائے حاجت سے پہلے:

قضائے حاجت سے پہلے مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا چاہئے:

(۱) قضائے حاجت کے لئے ایسی جگہ تلاش کی جائے جہاں لوگوں کی نظر نہ پڑے۔ مثلاً آبادی سے دور چلا جائے یا بیت الخلاء میں داخل ہو جائے۔ جناب نبی اکرم ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو دور چلے جاتے حتیٰ کہ آپ کو کوئی نہ دیکھتا۔ (۱)

(۲) اگر اس کے پاس کوئی ایسی چیز موجود ہو جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا ہو تو اسے بیت الخلاء میں نہ لے جائے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی پہنی جس پر محمد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نقش تھے۔ (۲) آنحضرت ﷺ جب بیت الخلاء میں جاتے تو اسے اتار دیتے۔ (۳)

(۳) بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر رکھے۔ اندر داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھے:

((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ))

''اللہ کے نام سے۔ اے اللہ! میں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

کیونکہ رسول اللہ ﷺ اس موقع پر یہ الفاظ کہا کرتے تھے۔ (۴)

---

(۱) سنن ابی داوٗد، کتاب الطهارة، باب التخلی عند قضاء الحاجة۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب هل یجعل نقش الخاتم ثلاثة اسطر

(۳) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم خاتم الذهب علی الرجال ونسخ ما کان من اباحته فی اول الاسلام۔ وجامع الترمذی، کتاب اللباس، باب ما جاء فی لبس الخاتم فی الیمین وقال هذا حدیث حسن غریب۔

(٤) صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب ما یقول عند الخلاء (اس روایت میں "بسم اللہ" کا لفظ نہیں ہے۔) وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب ما یقول اذا اراد دخول الخلاء۔ (اس روایت میں بھی "بسم اللہ" کا لفظ نہیں ہے۔)

(۴) اُس وقت تک جسم سے کپڑا نہ ہٹایا جائے جب تک زمین سے قریب نہ ہو جائے۔ کیونکہ جسم کے خاص اعضاء کا چھپانا شرعاً فرض ہے۔[1]

(۵) پیشاب یا پاخانہ کی حاجت کے لئے قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے، نہ قبلہ کی طرف پشت کرے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا بِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ)) [2]

''پیشاب یا پاخانہ کرتے ہوئے قبلہ کی طرف منہ نہ کرو، نہ اس کی طرف پیٹھ کرو۔''

(۶) ایسی جگہ پیشاب نہ کرے جہاں لوگ سایہ میں بیٹھتے ہوں، یا عام لوگوں کے گزرنے کا راستہ ہو یا چشمہ اور نہر وغیرہ ہو جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہوں۔ اور سایہ دار درختوں کے نیچے بھی قضائے حاجت نہ کرے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ : اَلْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَالظِّلِّ)) [3]

''تین لعنت والے کاموں سے پرہیز کرو (وہ کام یہ ہیں) گھاٹ پر، راستہ کے درمیان اور سائے میں قضائے حاجت کرنا۔''

اسی طرح پھل دار درختوں کے نیچے قضائے حاجت سے ممانعت بھی حدیث میں آئی ہے۔

(۷) قضائے حاجت کے دوران بات چیت نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِذَا تَغَوَّطَ الرَّجُلَانِ فَلْيَتَوَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عَنْ صَاحِبِهٖ وَلَا يَتَحَدَّثَا فَاِنَّ اللّٰهَ يَمْقُتُ عَلٰى ذٰلِكَ)) [4]

''جب دو آدمی قضائے حاجت کے لئے جائیں تو ایک دوسرے سے چھپ کر بیٹھیں اور باتیں نہ کریں، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔''

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب کیف التکشف عند الحاجة۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب لا یستقبل القبلة بغائط او بول (نحوه)۔ وصحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب الاستطابة۔

(۳) مستدرك حاکم، کتاب الطهارة، باب اتقوا الملاعن الثلاث۔

(٤) سنن ابن ماجة، کتاب الطهارة، باب النهی عن الاجتماع علی الخلاء والحدیث عنده (بالمعنی)

۲) استنجاء کے آداب:

(۱) قضائے حاجت کے بعد بدن کی صفائی کے لئے ہڈی یا لید استعمال نہ کرے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((لَا تَسْتَجْمِرُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَاِنَّهٗ زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ)) (۱)

''نہ لید سے استنجاء کرو نہ ہڈی سے' کیونکہ یہ تمہارے جن بھائیوں کا سفر خرچ ہے۔''

اور ایسی چیز بھی استعمال نہ کی جائے جس سے دوسرا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہو۔ مثلاً کپڑے کا قابل استعمال ٹکڑا' یا لکھنے کے قابل کاغذ وغیرہ۔ قابل احترام چیز بھی اس مقصد کے لئے استعمال نہ کی جائے' مثلاً کھانے کی کوئی چیز' کیونکہ اس طرح اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں رہتا' اور مفید چیز کو فائدہ سے محروم کرنا حرام ہے۔

(۲) دائیں ہاتھ سے جسم صاف نہ کرے' نہ دائیں ہاتھ سے عضو خاص کو چھوئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَمَسَّنَّ اَحَدُكُمْ ذَكَرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ وَهُوَ يَبُوْلُ وَلَا يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلَاءِ بِيَمِيْنِهٖ)) (۲)

''کوئی شخص پیشاب کرتے وقت دائیں ہاتھ سے عضو کو نہ پکڑے' نہ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔''

(۳) طاق تعداد میں ڈھیلے استعمال کرے۔ مثلاً تین ڈھیلوں سے صفائی کرے۔ اگر مزید ڈھیلے استعمال کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو کل پانچ ڈھیلے استعمال کر لے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پیشاب یا پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے سے' دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے' تین ڈھیلوں سے کم کے ساتھ استنجاء کرنے سے اور لید یا ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے''۔ (۳)

---

(۱) جامع الترمذی' ابواب الطهارة' باب ما جاء فی کراهية ما يستنجیٰ به۔ اس مسئلہ کی حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے۔ دیکھئے صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب الاستنجاء بالحجارة۔ وصحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب الاستطابة۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب النهی عن الاستنجاء باليمين۔ وصحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب لا يمسك ذكره بيمينه اذا بال۔ مذکورہ بالا الفاظ مسلم کے مطابق ہیں۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب الاستطابة۔

(۴) استنجاء کے لئے ڈھیلے اور پانی بیک وقت استعمال کرنا درست ہے۔ اس صورت میں پہلے مٹی کے ڈھیلوں سے صفائی کی جائے' پھر پانی سے استنجا کیا جائے۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک چیز استعمال کر لی جائے تو وہ بھی کافی ہے۔ البتہ پتھروں کی نسبت پانی سے صفائی زیادہ بہتر انداز سے ہو جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خواتین سے فرمایا: ''اپنے خاوندوں سے کہو کہ پانی سے استنجاء کیا کریں۔ مجھے ان (مردوں) سے (یہ مسائل بیان کرنے میں) شرم محسوس ہوتی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (یعنی پانی استعمال فرماتے تھے)[1]

۳) قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد:

(۱) بیت الخلاء سے باہر آتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں باہر رکھے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔

(۲) باہر آ کر کہے: غُفْرَانَکَ[2] ''اے اللہ! میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں''۔

یا یہ دعا پڑھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ [3] ''تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز کو دور کیا اور مجھے عافیت بخشی''۔

یا یہ دعا پڑھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذَاقَنِیْ لَذَّتَهٗ وَاَبْقٰی فِیَّ قُوَّتَهٗ وَاَذْهَبَ عَنِّیْ اَذَاهُ[4] ''تعریف اللہ کی ہے جس نے مجھے اس (رزق) کی لذت چکھائی' اس کی قوت میرے اندر رہنے دی اور اس کی اذیت کو مجھ سے دور کر دیا''۔

یا یہ دعا پڑھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْسَنَ اِلَیَّ فِیْ اَوَّلِهٖ وَآخِرِهٖ [5] ''تعریف اللہ کی ہے جس نے اس کے شروع میں بھی مجھ پر احسان کیا (یعنی مجھے روزی عطا فرمائی جو میں نے کھائی) اور اس کے آخر میں بھی (کہ خوراک کے مضر اجزاء کو جسم سے خارج فرما دیا)''۔

(۱) جامع الترمذی' ابواب الطهارة' باب ما جاء فی الاستنجاء بالماء (امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

(۲) سنن ابی داؤد' کتاب الطهارة' باب ما یقول الرجل اذا خرج من الخلاء۔ وجامع الترمذی' ابواب الطهارة' باب ما یقول اذا خرج من الخلاء۔

(۳) سنن ابن ماجه' کتاب الطهارة وسننها' باب ما یقول اذا خرج من الخلاء۔

(٤) ابن السنّی' دیکھئے کنز العمال

(٥) ابن السنی (کنز العمال' ح ۱۷۸۷۱)

تیسرا باب

وضو

۱) وضو کی مشروعیت اور فضیلت

ا) مشروعیت:

وضو کا حکم قرآن مجید میں بھی موجود ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدۃ:٦)

''اے مؤمنو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھ دھولیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھولیا کرو)۔''

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ اَحَدِكُمْ اِذَا اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ)) (۱)

''جب تم میں سے کوئی بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی جب تک وہ وضو نہ کر لے''۔

ب) فضیلت:

وضو کی عظیم فضیلت اس حدیث سے واضح ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: ''کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں اور درجات کو بلند کر دیتے ہیں؟'' انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بتایئے! ارشاد ہوا: ''اچھی طرح کامل وضو کرنا جب جی نہ چاہتا ہو (مثلاً سخت سردی میں) جب پانی ٹھنڈا ہو)' اور مسجدوں کی طرف زیادہ قدم اٹھانا (دور سے چل کر آنا' یا بار بار مسجد میں آنا)' اور نماز کے بعد (دوسری) نماز کا انتظار کرنا۔ یہ سرحدوں کی نگرانی ہے''۔ (۲)

(۱) صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب ما لا تُقبل صلاة بغیر طهور۔ وصحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب وجوب الطهارة للصلاة۔ (یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق ہیں۔)

(۲) صحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب فضل اسباغ الوضوء علی المکاره۔

نیز ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ اَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَتْ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ اَوْ آخِرِ قَطْرِ الْمَآءِ، وَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيْئَةٍ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَآءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَآءِ، فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ ـــــ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ ـــــ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ)) (۱)

''جب مسلمان یا مومن بندہ وضو کرتا ہے اور اپنا چہرہ دھوتا ہے تو ہر وہ گناہ جو اس نے آنکھوں سے دیکھا ہے' پانی کے ساتھ ـــــ یا فرمایا: پانی کے آخری قطروں کے ساتھ ـــــ نکل جاتا ہے' اور جب اپنے ہاتھ (اور بازو) دھوتا ہے تو ہر وہ گناہ جو اس نے ہاتھوں سے کیا تھا' پانی کے ساتھ ـــــ یا پانی کے آخری قطروں کے ساتھ ـــــ نکل جاتا ہے' اور جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو ہر وہ گناہ جس کی طرف پاؤں سے چل کر گیا تھا' پانی کے ساتھ ـــــ یا پانی کے آخری قطروں کے ساتھ نکل جاتا ہے' حتیٰ کہ (وضو کرنے والا) گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔''

۲) وضو کے فرض' سنتیں اور مکروہات

ا) فرائض:

وضو میں مندرجہ ذیل کام فرض ہیں (۲):

(۱) نیت' یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے وضو کے اعمال کی ادائیگی کا دل سے ارادہ کرنا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) (۳) ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء۔

(۲) وضو کے فرائض اور سنن کی تعیین میں ائمہ اربعہ کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ فاضل مؤلف کا تعلق غالباً حنبلی مسلک سے ہے لہٰذا انہوں نے وضو میں سات امور فرض قرار دیئے ہیں۔ فقہ حنفی کے مطابق ان میں سے چار امور فرض ہیں جبکہ باقی سنت ہیں۔ (ادارہ)

(۳) صحیح البخاری' باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ وصحیح مسلم' کتاب الامارة' باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم انما الاعمال بالنیة۔

(۲) پیشانی کے بالائی سرے سے ٹھوڑی کے آخر تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک پورا چہرہ دھونا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ .....﴾ (المائدۃ:٦) ''اپنے چہرے دھولیا کرو۔''

(۳) کہنیوں تک ہاتھ دھونا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ .....﴾ (المائدۃ:٦) ''اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک۔''

(۴) پیشانی سے گدی تک سر کا مسح کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ.....﴾ (المائدۃ:٦) ''اور اپنے سروں کا مسح کرو۔''

(۵) ٹخنوں تک دونوں پیروں کو دھونا۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ﴾ (المائدۃ:٦)

''اور اپنے پاؤں (دھولو) ٹخنوں تک۔''

(٦) وضو کے اعضاء دھونے میں ترتیب کا خیال رکھنا۔ یعنی پہلے چہرہ دھویا جائے' پھر بازو' پھر سر کا مسح کیا جائے' پھر پیر دھوئے جائیں۔ کیونکہ آیت مبارکہ میں اعضاء کے دھونے کا حکم اسی ترتیب سے مذکور ہے۔

(۷) یک بارگی وضو کرنا' یعنی وضو کے اعمال میں وقفہ نہ ہو' کیونکہ عبادت کا کوئی عمل شروع کرنے کے بعد مکمل کئے بغیر چھوڑ دینا منع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد:٣٣) ''اپنے اعمال ضائع نہ کرو''۔

البتہ معمولی وقفہ قابل درگزر ہے۔ اسی طرح اگر وقفہ کسی عذر کی وجہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ مثلاً پانی ختم ہو جائے' یا ایسی کوئی اور وجہ ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا۔

نوٹ: دھوتے وقت اعضاء کو ملنا بعض علماء کے نزدیک فرض اور بعض کے نزدیک سنت ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ''دھونے'' کے عمل ہی کی تکمیل ہے۔ لہٰذا اسے الگ نام دے کر اس پر الگ حکم لگانے کی ضرورت نہیں۔

ب) سنتیں

وضو میں مندرجہ ذیل امور سنت ہیں:

(۱) وضو شروع کرتے وقت ''بِسْمِ اللّٰهِ'' کہنا۔ ارشادِ نبوی ہے:

((لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ)) (۱)

''اس کا کوئی وضو نہیں جو اس پر اللہ کا نام نہیں لیتا''۔

(۲) جب نیند سے جاگے تو برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین بار ہاتھ دھوئے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ)) (۲)

''تم میں سے کوئی شخص جب نیند سے جاگے تو برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک تین بار ہاتھ نہ دھو لے۔ کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا (یعنی معلوم نہیں جسم کے کس حصے پر ہاتھ لگا ہوگا)''

البتہ اگر نیند سے جاگا نہ ہو تو پانی میں ہاتھ ڈال کر پانی لینا درست ہے تاکہ وضو کی سنت کے مطابق تین بار ہاتھ دھوئے۔

(۳) مسواک کرنا: جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ)) (۳)

''اگر میں اپنی امت کے لئے مشقت نہ سمجھتا تو ہر وضو کے ساتھ مسواک کا (لازمی) حکم دے دیتا''۔

(۴) کلی کرنا یعنی منہ میں پانی کو حرکت دے کر باہر نکال دینا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا تَوَضَّاْتَ فَمَضْمِضْ)) (۴) ''جب تو وضو کرے تو کلی کر''

---

(۱) سنن ابی داوٗد، کتاب الطهارة، باب فی التسمیة علی الوضوء۔ وجامع الترمذی، کتاب الطهارة، باب ما جاء فی التسمیة عند الوضوء۔ وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة، باب ما جاء فی التسمیة فی الوضوء۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب کراهة غمس المتوضئ وغیره یده المشکوك فی نجاستها فی الاناء قبل غسلها ثلاثاً۔ وصحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب الاستجمار وترا (نحوه)

(۳) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب السواك یوم الجمعة۔ وصحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب السواك۔ ایک روایت میں ''عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ'' (ہر وضو کے وقت)، ایک میں ''عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ'' (ہر نماز کے وقت) اور ایک روایت میں ''مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ'' (ہر نماز کے ساتھ) کے الفاظ بھی ہیں۔

(٤) سنن ابی داوٗد، کتاب الطهارة، باب فی الاستنثار۔

(۵) ناک میں پانی چڑھانا اور ناک صاف کرنا: جنابِ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((بَالِغْ فِی الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ صَائِمًا)) (۱)

''ناک میں اچھی طرح پانی چڑھاؤ اِلّا یہ کہ تم روزے سے ہو''۔

(۶) داڑھی کا خلال: حضرت عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہما) کو کسی نے داڑھی کا خلال کرتے دیکھ کر تعجب کیا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے (اس کام سے) کون سی چیز روک سکتی ہے جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے دیکھا ہے؟''(۲)

(۷) اعضاء کو تین تین بار دھونا۔ کیونکہ ایک ایک بار دھونا فرض ہے اور تین تین بار دھونا سنت ہے۔

(۸) کانوں کا اندر اور باہر سے مسح کرنا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی کیا ہے۔

(۹) ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔ ارشادِ نبوی ہے:

((اِذَا تَوَضَّاْتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ یَدَیْکَ وَرِجْلَیْکَ)) (۳)

''جب تو وضو کرے تو ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر''۔

(۱۰) ہاتھ، بازو یا پاؤں دھوتے ہوئے پہلے دائیں ہاتھ یا پاؤں کو دھونا۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا تَوَضَّاْتُمْ فَابْدَءُوْا بِمَیَامِنِکُمْ)) (۴)

''جب تم وضو کرو تو دائیں طرف سے شروع کرو''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''نبی کریم ﷺ جوتا پہننے میں، کنگھی کرنے میں، پاکیزگی حاصل کرنے میں (یعنی وضو اور غسل میں) اور ہر کام میں دائیں طرف سے شروع

---

(۱) جامع الترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی کراهیة مبالغة الاستنشاق للصائم۔ وسنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الاستنثار۔ وسنن النسائی، کتاب الطهارة، باب المبالغة فی الاستنشاق۔ وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة، باب المبالغة فی الاستنشاق والاستنثار۔ مسند احمد، ۳۳/٤

(۲) جامع الترمذی، ابواب الطهارة، باب ما جاء فی تخلیل اللحیة۔

(۳) جامع الترمذی، ابواب الطهارة، باب ما جاء فی تخلیل الاصابع۔

(٤) سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الانتعال۔ وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة، باب التیمن فی الوضوء۔

کرنا پسند کرتے تھے''۔ (۱)

(۱۱) ہاتھوں اور چہرے کی چمک میں اضافہ: وہ اس طرح کہ چہرے کو دھوتے ہوئے گردن تک پہنچ جائے اور بازو دھوتے وقت کہنیوں سے اوپر بھی کچھ حصہ دھوئے اور پاؤں دھوتے وقت پنڈلیوں کا کچھ حصہ بھی دھوئے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اُمَّتِیْ یَاْتُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یُّطِیْلَ غُرَّتَهٗ فَلْیَفْعَلْ)) (۲)

''قیامت کے دن میری امت کے لوگ اس طرح آئیں گے کہ وضو کے اثر سے ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں گے۔ تم میں سے جو شخص اپنی چمک طویل کر سکتا ہے کر لے''۔

(۱۲) سر کا مسح کرتے وقت سر کے اگلے حصے سے شروع کرے۔ حدیث میں ہے: ''جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر کا مسح دونوں ہاتھوں سے کیا' آپ انہیں آگے لائے اور پیچھے لے گئے۔ آپ نے سر کے اگلے حصہ سے شروع کیا' پھر ہاتھوں کو گدی تک لے گئے' پھر انہیں واپس لے آئے''۔ (۳)

(۱۳) وضو کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں' اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے اللہ! مجھے بہت زیادہ توبہ کرنے والوں میں سے کر دے اور مجھے پاک لوگوں میں شامل فرما دے''۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب التیمن فی الوضوء والغسل۔ وصحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب التیمن فی الطهور وغیره۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب فضل الوضوء والغر المحجلون من آثار الوضوء (نحوه)۔ وصحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب استحباب اطالة الغرة والتحجیل فی الوضوء۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب مسح الرأس کله۔

((مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ، فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ)) (۱)

''جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر کہے: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' جس سے چاہے داخل ہو جائے''۔

ج) مکروہات:

وضو میں مندرجہ ذیل کام مکروہ ہیں:

(۱) ناپاک جگہ وضو کرنا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ پانی کے قطروں کے ساتھ نجاست اڑ کر وضو کرنے والے کے جسم یا لباس تک پہنچ جائے گی۔

(۲) اعضائے وضو کو تین بار سے زیادہ دھونا۔ نبی کریم ﷺ نے تین تین بار اعضاء دھو کر وضو کیا' پھر فرمایا:

((مَنْ زَادَ فَقَدْ اَسَاءَ وَظَلَمَ)) (۲)

''جس نے اس سے زیادہ کیا اس نے برا کام کیا اور ظلم کیا''

(۳) ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرنا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایک مُدّ (۳) پانی سے وضو کرتے تھے۔ (۴) اور فضول خرچی جس چیز میں بھی ہو' شرعاً ممنوع ہے۔

(۴) سنن وضو میں سے ایک یا زیادہ سنتوں کو چھوڑ دینا۔ کیونکہ سنت کے ترک سے انسان اس ثواب سے محروم رہتا ہے جس سے محروم رہنا اچھی بات نہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب الذکر المستحب بعد الوضوء۔ اللهم اجعلنی ..... والا جملہ جامع الترمذی' ابواب الطهارة' باب فیما یقال بعد الوضوء۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں اضطراب ہے۔ شیخ احمد شاکر نے اس حدیث کی مختلف روایات کا تفصیلی جائزہ لے کر یہی فیصلہ کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ دیکھئے جامع الترمذی طبع بیروت' ۱/۸۳۔

(۲) مسند احمد' ۲/۱۸۰۔ وسنن ابی داؤد' کتاب الطهارة' باب ما جاء فی القصد فی الوضوء وکراهیة التعدی فیه۔

(۳) صاع کا چوتھا حصہ جس کی مقدار دو تہائی سیر کے برابر (تقریباً ساڑھے چھ سو گرام) ہوتی ہے۔

(٤) جامع الترمذی' کتاب الطهارة' باب الوضوء بالمُدّ۔

(۵) عورت کے استعمال کے بعد بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا۔ کیونکہ حدیث میں ہے: ''جناب رسول اللہ ﷺ نے عورت کے وضو (یا غسل) کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا''۔(۱)

۳) وضو کا تفصیلی طریقہ

ممکن ہو تو برتن دائیں طرف رکھے۔ بسم اللہ کہہ کر وضو کی نیت سے ہاتھوں پر پانی بہائے اور انہیں تین بار دھوئے۔ پھر تین بار کلی کرے۔ پھر تین بار ناک میں پانی ڈالے اور ناک صاف کرے۔ پھر تین بار اپنا چہرہ دھوئے۔ چہرے کی حد لمبائی سر کے اس مقام سے جہاں عام طور پر بال اُگا کرتے ہیں' داڑھی کے آخری حصے تک ہے اور چوڑائی کے رخ اس کی حد ایک کان سے دوسرے کان تک ہے۔ پھر دایاں بازو کہنی سمیت تین بار دھوئے اور انگلیوں میں خلال بھی کرے۔ پھر اسی طرح بایاں بازو دھوئے۔ پھر ایک بار سر کا مسح کرے۔ سر کے اگلے حصے سے شروع کرے اور گدی تک مسح کرے۔ پھر دوبارہ ہاتھوں کو وہیں لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا۔ پھر ہاتھوں میں جو تری موجود ہو اس سے کانوں کا اندر اور باہر سے مسح کرے۔ اگر ہاتھ گیلے نہ رہے ہوں تو کانوں کے لئے نیا پانی لے کر مسح کر لے۔ پھر دایاں پاؤں ٹخنوں تک تین مرتبہ دھوئے اور انگلیوں میں خلال بھی کرے اور پھر اسی طرح بایاں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ پھر یہ دعا پڑھے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کیا۔ آپؓ نے اپنے ہاتھ دھوئے حتیٰ کہ انہیں صاف کر لیا۔ پھر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا' پھر تین بار اپنا چہرہ دھویا اور تین بار بازو دھوئے' اور ایک بار سر کا مسح کیا۔ پھر ٹخنوں تک دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر فرمایا: ''میں چاہتا تھا کہ تمہیں دکھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کا وضو (کا طریقہ) کس طرح تھا''۔(۲)

---

(۱) جامع الترمذی' کتاب الطهارة' باب ما جاء فی کراهية فضل طهور المرأة۔

(۲) جامع الترمذی' کتاب الطهارة' باب ما جاء فی وضوء النبی ﷺ کیف کان۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح حدیث کہا ہے۔

۴) نواقض وضو

مندرجہ ذیل امور سے وضو ٹوٹ جاتا ہے:

(۱) آگے یا پیچھے کے راستے سے نکلنے والی کوئی چیز' مثلاً پیشاب' پاخانہ' مذی' ودی اور ہوا وغیرہ۔ اس صورت کو ''حَدَث'' (بے وضو ہو جانا) کہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حدیث میں اسی چیز کا ذکر ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ اَحَدِكُمْ اِذَا اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ)) (۱)

''تم میں سے کوئی شخص جب بے وضو ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرماتے حتیٰ کہ وہ (دوبارہ) وضو کر لے''۔

(۲) گہری نیند جب کہ لیٹ کر ہو۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ ' فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ)) (۲)

''آنکھ سرین کا بندھن ہے' لہٰذا جو شخص سو جائے اسے چاہئے کہ وضو کرے''۔

(۳) عقل اور احساس باقی نہ رہنا۔ مثلاً بے ہوشی' نشہ یا جنون کی کیفیت۔ کیونکہ جب کسی کو اپنے آپ کا شعور نہ رہے تو اسے معلوم نہیں ہوتا کہ ہوا کا اخراج یا وضو توڑنے والی کوئی اور چیز تو واقع نہیں ہو گئی۔

(۴) ہتھیلی اور انگلیوں کی اندر کی جانب سے عضو خاص کو چھونا۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلَا يُصَلِّ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ)) (۳)

''جو شخص اپنے عضو کو چھو لے' وہ وضو کئے بغیر نماز نہ پڑھے''۔

(۵) مرتد ہونا۔ مثلاً کوئی شخص کفریہ کلمہ کہے تو اس کے وہ تمام اعمال جن کا تعلق عبادات سے ہے' کالعدم ہو جائیں گے۔ اس لئے وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الحیل' باب فی الصلاۃ۔ وصحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب فضل الوضوء۔ دوسری روایت میں ''لا تُقْبَلُ'' (قبول نہیں ہوتی) کے الفاظ ہیں۔

(۲) ابن ماجہ' کتاب الطھارۃ' باب الوضوء من النوم۔ ابوداؤد' کتاب الطھارۃ' باب الوضوء من النوم۔

(۳) جامع الترمذی' کتاب الطھارۃ' باب الوضوء من مس الذکر۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ .....﴾ (الزمر:٦٥)
''اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے۔''

(٦) اونٹ کا گوشت کھانا: ایک صحابی نے جناب رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''کیا ہمیں بکری کا گوشت کھا کر وضو کرنا چاہئے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''چاہو تو کر لو' چاہو تو نہ کرو''۔ اس نے کہا: ''کیا ہم اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کریں؟ فرمایا: ''ہاں' اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرو''۔ (١) لیکن اکثر صحابہ ﷺ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں۔ وہ اس حدیث کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ خلفائے اربعہ سمیت بہت سے صحابہ ﷺ اونٹ کا گوشت کھا کر وضو نہیں کرتے تھے۔

(٧) خواہشِ نفس کے ساتھ عورت کو ہاتھ لگانا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قصد شہوت کا حکم وجودِ شہوت کا ہے۔ اس کی دلیل عضو کو ہاتھ لگانے سے وضو کا حکم ہے کیونکہ عضو کو چھونے سے شہوت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مؤطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فرمان مروی ہے: ''مرد کا بیوی کو بوسہ دینا یا اسے ہاتھ سے چھونا بھی شامل ہے۔ پس جو شخص اپنی بیوی کو بوسہ دے یا اسے ہاتھ سے چھوئے اسے وضو کرنا چاہئے''۔ (٢)

جن صورتوں میں وضو کرنا مستحب ہے:

مندرجہ ذیل افراد کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ وضو کر لیں:

(١) سلس البول کی بیماری والا: جس شخص کی یہ کیفیت ہو کہ بیشتر اوقات میں اس کا پیشاب جاری رہتا ہو یا ہوا خارج ہوتی رہتی ہو' اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کر لے۔ اس کی حالت کو مستحاضہ کی کیفیت پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(٢) مستحاضہ: جس عورت کو عادت کے ایام کے علاوہ بھی مسلسل خون آتا رہتا ہو' اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے وضو کر لیا کرے۔ کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حُبیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

((ثُمَّ تَوَضَّئِیْ لِكُلِّ صَلَاةٍ)) (٣)

---

(١) صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب الوضوء من لحوم الابل۔

(٢) موطا امام مالك' کتاب الطهارة' باب الوضوء من قبلة الرجل امراته۔

(٣) جامع الترمذی' کتاب الطهارة' باب ما جاء فی المستحاضة۔ (باقی صفحہ 88 پر)

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ

فرمانِ نبویؐ "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ" کی تعمیل میں
خاص طور پر "اَلنَّصِیْحَۃُ لِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ" کے ضمن میں

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے اہم خطوط
جو انہوں نے وقتاً فوقتاً سربراہانِ حکومت کو ارسال کئے

ع "گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را!"

دعوت الی اللہ کی خدمت سرانجام دینے والے لوگوں کا جہاں اصل خطاب عوام کے لئے ہوتا ہے' وہاں وقت کے صاحبِ اقتدار حضرات اور حکمرانوں کو بھی حق نصیحت ادا کرنا لازم ہے ـــــ چنانچہ ایک حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" یعنی دین تو نام ہی خلوص' وفاداری اور خیر خواہی کا ہے! جس پر آپؐ سے دریافت کیا گیا: "لِمَنْ؟" یعنی کن کے ساتھ خلوص اور خیر خواہی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ" یعنی اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ وفاداری اور مسلمانوں کے حاکموں اور رہنماؤں اور ان کے عوام کی خیر خواہی! ـــــ اسی فرمان نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے صدر مؤسس' تنظیم اسلامی کے بانی اور تحریک خلافت پاکستان کے داعی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنی تمام تر توجہات کو دعوت رجوع الی القرآن اور نظام قرآنی کے قیام کی سعی کے لئے ایک جماعت کی تیاری پر مرکوز رکھنے کے ساتھ ساتھ وقت کے حکمرانوں کو خطوط لکھتے رہے ہیں جن کا اصل محرک پاکستان کا استحکام اور اس میں نظامِ اسلامی کے قیام کا جذبہ تھا۔ اب ظاہر ہے کہ اس نوعیت کے خطوط صرف ایسے ہی حکمرانوں کو لکھے جا سکتے تھے جو صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے اور کم از کم زبانی کلامی انداز میں نفاذِ اسلام کی بات بھی کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے کا پہلا خط جو جنرل ضیاء الحق مرحوم کے نام لکھا گیا تھا آج پیش خدمت ہے ـــــ آئندہ اس نوعیت کے مزید خطوط بھی شائع کئے جائیں گے ـــــ (ادارہ)

(۱)

مکتوب بنام جنرل ضیاء الحق مرحوم

بتاریخ ۲۷ر دسمبر ۱۹۸۲ء مطابق ۱۰ر ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

مکرمی ومحترمی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب
چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر وصدرِ پاکستان
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ مندرجہ ذیل گزارشات پیش خدمت ہیں:

مجھے یقین ہے کہ آپ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ میں معروف اور مروّجہ معنی میں ہرگز سیاسی آدمی نہیں ہوں اور میرے بیشتر اوقات اور تمام تر مساعی مستقبل کے اسلامی انقلاب کے لئے میدان ہموار کرنے کی غرض سے دعوتی وتبلیغی اور تعلیمی وتدریسی سرگرمیوں کے لئے وقف ہیں۔ (چنانچہ یہی میرے وفاقی کونسل یا مجلسِ شوریٰ سے استعفے کا اہم ترین سبب ہے۔!)

ساتھ ہی مجھے اس امر کا بھی یقین ہے کہ یہ حقیقت بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوسکتی کہ کوئی باشعور مسلمان خالصتاً غیر سیاسی نہیں ہوسکتا۔ بایں معنیٰ کہ وہ ملک وملت کے حالات سے قطعاً بے خبر یا لاتعلق رہے اور قوم ووطن کی صلاح وفلاح یا ان کو درپیش خطرات و خدشات کے بارے میں سوچ بچار اور غور وفکر سے بھی کام نہ لے۔

چنانچہ میں بھی اس ضمن میں اپنی امکانی حد تک حالات کا مشاہدہ بھی کھلی آنکھوں سے کرتا ہوں اور دوسروں سے تبادلۂ خیال بھی کھلے قلب وذہن کے ساتھ کرتا ہوں۔ (اور اس سلسلہ میں مجھے اپنے ان دَوروں اور سفروں سے بھی مدد ملتی ہے جو مجھے اپنے دعوتی وتبلیغی مساعی کے ضمن میں اندرونِ ملک یا بیرونِ وطن کرنے پڑتے ہیں) ـــــ اور پھر خود غور وفکر بھی کرتا ہوں اور اس کے نتیجے میں پھر جو رائے بھی میری بنے' میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس کے مطابق مشورہ پورے نصح وخیر خواہی کے جذبے کے ساتھ عوام کو بھی دوں اور ان کو بھی جن کے ہاتھ میں ملک وقوم کی زمامِ کار ہے۔ از روئے فرمان نبویؐ: ''اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ'' یعنی ''دین تو نام ہی نصح واخلاص اور خیر خواہی ووفاداری کا ہے''۔ اور جب پوچھا گیا: ''لِمَنْ

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟'' یعنی ''حضور ﷺ! کس کے ساتھ؟'' تو ارشاد ہوا: ''لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ'' یعنی ''اللہ اور اُس کی کتاب اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ اخلاص و وفاداری اور مسلمانوں کے اولوالامر اور عوام دونوں کے ساتھ نصح و خیر خواہی!''

یہی وجہ ہے کہ آج سے سوا دو سال قبل اغلباً ۱۸/اگست ۸۰ء کو اسلام آباد میں ''علماء کنونشن'' سے قبل منعقدہ مشاورتی اجلاس کے موقع پر جب میں نے آپ سے چند منٹ علیحدگی میں گفتگو کی تھی' تب بھی بعض مشورے آپ کے گوش گزار کئے تھے' جن کا تعلق اکثر و بیشتر ملک کی سیاسی صورت حال سے تھا۔ اور پھر جب اوائل مئی ۸۲ء میں لاہور کے گورنمنٹ ہاؤس میں مَیں ''مجلسِ شوریٰ'' سے اپنا استعفاء پیش کرنے حاضر ہوا تھا' تب بھی میں نے بعض مشورے دیئے تھے جن کا تعلق اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ سے تھا۔ اور اللہ گواہ ہے ـــــ اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا دل بھی گواہی دے گا کہ ان دونوں مواقع پر میرا محرک مندرجہ بالا حدیثِ نبویؐ کے مطابق نصح و خیر خواہی کے جذبے کے سوا اور قطعاً کچھ نہ تھا!۔ اور خالصتاً اسی جذبے کے ساتھ آج پھر میں اس عریضے کے ذریعے حاضر خدمت ہو رہا ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ مجھے حق کہنے اور آپ کو حق سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ آمِیْن یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ

جہاں تک اس ملک میں ''اسلامی شعائر'' کی ترویج اور شریعت اسلامی کے نفاذ ـــــ یا بالفاظِ دیگر ''اسلامی نظام'' کے قیام کا تعلق ہے اس کے بارے میں مجھے اس وقت تک کچھ عرض نہیں کرنا' جس کا اصل سبب' میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں' یہ ہے کہ اس معاملے میں مَیں آپ سے قطعاً مایوس ہو چکا ہوں ـــــ اور عرض معروض یا گلہ شکوہ وہیں ہوتا ہے جہاں کوئی توقع موجود ہو!

مجھے خوب معلوم ہے کہ اس ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی ہر اعتبار سے نہایت بگڑے ہوئے معاشرے میں اسلام کا قیام و نفاذ کوئی آسان کام نہیں اور اس کے لئے یقین محکم پر مبنی جرأتِ مومنانہ اور علم راسخ پر مبنی حکمتِ عملی کی ضرورت ہے۔ لیکن آپ کو تقدیر الٰہی نے جو ایک موقع عطا فرمایا تھا کہ آپ ع ''بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا'' کے مصداق اگر دین حق کے قیام و نفاذ کے لئے بھرپور کوشش اور پورے جرأت مندانہ اقدام کے باوجود خدانخواستہ ناکام رہتے تو کم از کم ایک ایسی مثال تو تاریخ میں چھوڑ جاتے کہ اگر ایک کافر شخص ایک

عہدت کی خاطر (پرنس آف ویلز بعدہٗ ڈیوک آف ونڈسر) وقت کی عظیم ترین سلطنت کے تخت سے دستبردار ہو سکتا ہے تو ایک مسلمان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی اسلام کی خاطر حکومت و اقتدار کو قربان کر سکتا ہے ـــــ مجھے شدید افسوس ہے کہ آپ اس موقع کا حق ادا نہ کر سکے!

اس ضمن میں، جیسا کہ میں نے ۲۰ راگست ۸۰ء کو علماء کنونشن میں اپنی تقریر میں عرض کیا تھا، ابتدائی تین سال، جو اس اعتبار سے نہایت قیمتی تھے کہ ''تحریکِ نظامِ مصطفیٰ'' کا جوش و خروش برقرار تھا اور ملکی فضا میں وہ کیفیت قائم تھی کہ نظامِ اسلامی کے نفاذ کے ضمن میں بڑے سے بڑا اقدام بھی بلا روک ٹوک کیا جا سکتا تھا ـــــ اغلباً کردار و عمل سے تہی دست لیکن ''چرب زبان'' اور ''تر دماغ'' دانشوروں کے زیر اثر تعطل اور تربّص کے نذر کر دیئے گئے (اس طرح اسی غلطی کا اعادہ ہو گیا جس کا ارتکاب پاکستان میں برسر اقتدار آنے والی اوّلین قیادت نے کیا تھا۔)

پھر جب حدود اور زکوٰۃ آرڈیننس کا اجراء ہوا اور اس پر اہل تشیع کی جانب سے جارحانہ ردّعمل ظاہر ہوا تو نہ صرف یہ کہ گھٹنے ٹیک دیئے گئے بلکہ ـــــ زیادہ قابلِ افسوس اور اہم ترین بات یہ کہ نظامِ زکوٰۃ کے ضمن میں شیعہ اور سنی کے مابین تفریق کر کے ضعیف الایمان یا ناواقف سنیوں کے شیعہ بن جانے کا دروازہ کھول دیا گیا ـــــ اس کے باوجود کہ میں نے ۱۸ راگست ۸۰ء کے مشاورتی اجلاس میں خدا کا واسطہ دے کر عرض کیا تھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آپ زکوٰۃ آرڈیننس پورے کا پورا واپس لے لیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو حسب سابق عوام کا نجی معاملہ قرار دے دیں ـــــ لیکن خدارا اس میں شیعہ اور سنّی میں فرق و امتیاز نہ قائم فرمایئے گا۔

مزید برآں فرقہ وارانہ اختلافات کے ضمن میں دستورِ پاکستان میں کتاب و سنت سے متعلق دفعہ کی جو وضاحت آپ نے درج دستور فرما دی ہے اس نے جملہ فقہی اختلافات کو دستوری سند عطا کر دی ہے اور اس طرح گویا پاکستان میں ''کتاب و سنت'' کی ملکی قانون کی سطح پر عملداری اور بالادستی کا راستہ بالکل مسدود ہو گیا ہے۔

اجتماعاتِ انسانیہ کے ذیل میں اوّلین معاملہ عائلی اور سماجی نظام کا ہے اور اس ضمن میں ایک طرف عائلی قوانین کو شریعت کورٹ کے دائرہ کار اور حدودِ اختیار میں لانے کی جرأت آپ اس لئے نہیں کر پا رہے کہ بعض اعلیٰ طبقات کی بیگمات اور کچھ مغرب زدہ خواتین کی

جانب سے ناموافق ردِّعمل کا اندیشہ ہے ـــــ اور دوسری طرف معاشرے میں خواتین کے مقام و کردار اور ستر و حجاب یا خود آپ کے الفاظ میں ''چادر اور چار دیواری'' کے ضمن میں اسلام کے نقطۂ نظر کے بارے میں جو اختلافات گزشتہ دنوں ہمارے ملک میں زور شور سے برپا ہوئے' اس بارے میں اگرچہ زبانی تو آپ نے کچھ باتیں ایسی بھی کہیں جو دینی طبقات کے لئے اطمینان بخش تھیں' لیکن عملاً اپنا پورا وزن مغرب زدہ اور اباحیت پسند حلقے میں ڈال رکھا ہے (بالخصوص آپ کے حالیہ غیر ملکی دوروں کے دوران آپ کی اہلیہ صاحبہ محترمہ کا یہ طرزِ عمل کہ سر سے چادر بھی اتر گئی ـــــ اور نامحرموں سے مصافحہ بھی ہو گیا ـــــ از خود فیصلہ کن تھا' لیکن اس پر مزید مہر تصدیق آپ کے ان فرمودات سے ثبت ہو گئی جو آپ نے اغلباً ہوسٹن میں ارشاد فرمائے تھے۔)

بنا بریں پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے عظیم معرکے کے آپ کے ہاتھوں سر ہونے کی اب کم از کم مجھے کوئی امید باقی نہیں رہی ـــــ اور مجھے اس رائے تک پہنچنے میں کہ یہاں اسلام صرف انقلابی طریق کار ہی سے آ سکتا ہے' آپ کے اس جملے نے بھی مدد دی ہے جو رحیم یار خان میں بلدیاتی نمائندوں کے ایک اجلاس میں ایک برقع پوش کونسلر کے تابڑ توڑ سوالات کے جواب میں کہ آپ نفاذِ اسلام کے لئے ''یہ کیوں نہیں کرتے؟'' اور ''وہ کیوں نہیں کرتے؟'' آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''بیٹی! اس ملک میں اسلام کسی انقلابی عمل کے نتیجے میں نہیں آ رہا کہ ہم اتنے بڑے بڑے قدم اٹھا سکیں!!'۔ (یہ روایت ہے رحیم یار خان کے معروف دینی اور سماجی کارکن ڈاکٹر محمد نذیر مسلم صاحب کی ـــــ جو اس خاتون کونسلر کے ماموں ہیں۔)

تاہم پاکستان کی بقا اور اس کے استحکام کے ضمن میں ایک مشورہ میں آپ کی خدمت میں ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں اور اصلاً اسی کے لئے یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں' چونکہ مجھے اپنے ذاتی مشاہدات و معلومات اور حالات کے تجزیئے اور جائزے سے شدید اندیشہ لاحق ہے کہ مستقبل کا مورخ کہیں یہ نہ کہے کہ ''۱۹۴۷ء میں ''پاکستان'' کے نام سے مسلمانوں کی جو عظیم ترین مملکت وجود میں آئی تھی اسے اوّلاً تو ۱۹۷۱ء میں دولخت کیا ایک شرابی اور زانی ٹولے نے اور پھر اس کے مزید ٹکڑے ہونے (BALKANISATION) کا حادثہ رونما ہوا ایک پابندِ صوم و صلوٰۃ اور دین دار و پرہیز گار شخص کے ہاتھوں!!'' معاذ اللہ!! ثم معاذ اللہ!!!

آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۸/اگست ۸۰ء کو بالکل علیحدگی میں گفتگو کے دوران میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ ''ملک میں جو سیاسی خلا مارشل لاء کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے اس کو دور کرنے کے لئے آپ کے ذہن میں نقشہ کیا ہے؟ میری رائے میں تو یہ سیاسی خلا (Political Vacuum) خودکشی (Suicide) کے مترادف ہے!!''—— اس پر آپ نے گہرے تاثر کے انداز میں فرمایا تھا کہ ''ڈاکٹر صاحب! میں نے اپنا تو جائزہ لے لیا ہے کہ میرے اندر ہمت نہیں ہے (جس کے معنی میں نے یہ لئے تھے کہ آپ صدر ایوب مرحوم کے طرزِ عمل کی جانب اشارہ کر رہے ہیں) لیکن موجودہ سیاسی جماعتوں کو حکومت دے دینے کو بھی میں اتنا ہی Suicidal سمجھتا ہوں اور تیسری کوئی شکل موجود نہیں ہے!''—— جس پر میں نے عرض کیا تھا کہ ''نہیں جناب! تیسری صورت موجود ہے اور وہ یہ کہ آپ Shortest Possible Notice اور No Party Basis پر الیکشن کرا دیں!!''—— تو آپ نے فرمایا تھا کہ ''ہاں اس پر ہم غور کر رہے ہیں کہ Short Notice اور No Party Basis نیز ایک L.F.O کے ساتھ الیکشن کرا دیں!''—— آخر میں مَیں نے عرض کیا تھا کہ ''یہ بالکل درست خیال ہے لیکن آپ آخر کب تک سوچتے رہیں گے؟ جلدی کیجئے ''Time is running out for you''—— آج اس گفتگو کو سوا دو سال سے زائد کا عرصہ گزر گیا لیکن افسوس کہ وہ سیاسی خلا جوں کا توں موجود ہے اور آپ کی جانب سے اس کے دور کرنے کے لئے تا حال کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔

اس ضمن میں اغلباً آپ کے اطمینان کا باعث یہ امر ہے کہ آپ کے خلاف کوئی عوامی تحریک نہ تا حال چل سکی ہے' نہ ہی اس کا کوئی فوری اندیشہ موجود ہے—— اس سلسلے میں مَیں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ خدارا اس صورتِ حال سے دھوکہ نہ کھایئے۔ اس لئے کہ اس کا اصل سبب بین الاقوامی حالات ہیں جن کے باعث پاکستان کے محبِ وطن بالخصوص دینی و مذہبی مزاج کے لوگ کوئی risk لینے کو تیار نہیں ہیں—— لیکن ایک تو کون نہیں جانتا کہ بین الاقوامی حالات میں کوئی تبدیلی کسی بھی وقت رونما ہو سکتی ہے اور دوسرے کسی ملک کے بقا و استحکام کے لئے یقیناً بین الاقوامی صورتِ حال بھی کسی قدر اہم ہوتی ہے لیکن اصل اہمیت اس ملک کے اپنے عوام کا اطمینان ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں بالخصوص اندرون صوبہ سندھ جو لاوا پک رہا ہے' مجھے یقین ہے کہ اس کا علم آپ کو بھی لازماً ہوگا۔ لیکن میں اس امکان کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کر سکتا کہ بعض اوقات

صاحبِ اقتدار لوگوں کے اردگرد جن لوگوں کا حصار قائم ہو جاتا ہے وہ اسے صحیح صورت حال سے مطلع نہیں ہونے دیتے۔ واللہ اعلم! میرے اندازے میں سندھ میں ''سندھو دیش'' کے لئے میدان پوری طرح اسی طرح ہموار ہو چکا ہے جیسے ''بنگلہ دیش'' میں ہوا تھا اور اب فرق صرف یہ ہے کہ چونکہ مشرقی پاکستان ہم سے دور اور کٹا ہوا تھا۔ اس لئے مرکزی حکومت وہاں مؤثر کنٹرول نہ کر سکی اور سندھ چونکہ زمینی طور پر ملحق ہے لہٰذا یہاں ایسی کسی بھی تحریک کو بآسانی کچلا جا سکتا ہے' لیکن میرے نزدیک اس عامل (Factor) پر بہت زیادہ انحصار بھی سخت ناعاقبت اندیشی ہے۔

سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ہمارے سیاسی مبصروں اور تجزیہ نگاروں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب میں سے سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ اس سبب کو بیان کیا تھا کہ پاکستان میں (ایوب خان مرحوم کے) مارشل لاء کے نفاذ نے وہاں کے لوگوں میں سیاسی محرومی کا احساس پیدا کر دیا تھا اور علیحدگی پسندوں کے ہاتھ میں سب سے بڑی دلیل یہ آ گئی تھی کہ فوج چونکہ ساری مغربی پاکستان کی ہے لہٰذا فوج کی حکومت کے معنی یہ ہیں کہ مغربی پاکستان' مشرقی پاکستان پر حکومت کر رہا ہے ـــــ آج بعینہٖ یہی دلیل سندھ کے علیحدگی پسند لوگوں کے ہاتھ میں ہے کہ فوج کا اکثر و بیشتر حصہ پنجاب سے ہے اور کچھ تھوڑا سا سرحد سے۔ لہٰذا مارشل لاء کے پردے میں اصلاً ''پنجاب'' ہم پر حکومت کر رہا ہے ـــــ اور ہر گزرنے والا دن اس دلیل کو قوی سے قوی تر کر رہا ہے ـــــ!

بنا بریں میں عرض کرتا ہوں کہ خدارا اس تعطل کو جلد از جلد رفع کرنے کی جانب واضح پیش قدمی فرمایئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ آتش فشاں پھٹ پڑے اور پھر ملک و ملت کے کسی بھی بہی خواہ کے کئے کچھ نہ ہو سکے۔!!(۱)

مجھے خوب اندازہ ہے کہ ایک جانب ہم اس وقت جس صورتِ حال سے دوچار ہیں' اس میں (اکثر سیاسی جماعتوں کے 'مبینہ' موقف کے مطابق) ۱۹۷۳ء کے دستور کے تحت انتقالِ اقتدار کے لئے فوری انتخاب میں بہت سے خطرات مضمر ہیں ـــــ دوسری جانب ملک کے

---

(۱) چنانچہ اس مکتوب کی تحریر کے چند ہی ماہ بعد سندھ میں آتش فشاں پھٹ گیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے خصوصی تصرف سے اُس وقت آنجہانی اندرا گاندھی نے سندھی قومیت پرستوں کی امداد سے معذرت نہ کی ہوتی اور مظاہرین کے پاس ریلوے لائنوں اور سڑکوں وغیرہ کو تباہ کرنے والا جدید ساز و سامان ہوتا تو شاید یہ مغربی پاکستان بھی اُسی وقت دولخت ہو گیا ہوتا۔

آئندہ نظام کے بارے میں آپ کے ذہن میں جو مختلف تجویزیں ہیں' وہ بھی ملک وملت کی خیر خواہی کے جذبے پر مبنی ہیں ـــــ اور تیسری جانب مختلف سیاسی حلقوں کی طرف سے بھی اختلاف رائے ان موضوعات پر سامنے آ رہا ہے کہ انتخابات جداگانہ ہوں یا مخلوط؟ ـــــ اور حسب سابق ہوں یا متناسب نمائندگی کے اصول پر؟۔ وغیرہ وغیرہ ـــــ وہ بھی یقیناً خلوص و اخلاص ہی پر مبنی ہیں ـــــ لیکن میرے نزدیک اصل سوال یہ ہے کہ ان معاملات میں آخری فیصلہ کرنے کا مجاز کون ہے۔؟؟ کیا صرف آپ اور آپ کے ''رفقاء کار'' یعنی مارشل لاء انتظامیہ! یا زیادہ سے زیادہ وہ سیاسی جماعتیں جو کسی درجے میں آپ کی منظور نظر ہیں یا کم از کم آپ کے لئے قابل قبول ہیں ـــــ!! یا کوئی اور ـــــ!!!

میں اس مسئلہ پر کم وبیش چھ ماہ سے مسلسل غور کرتا آ رہا ہوں ـــــ اور ایک رائے جس پر میرا دل ٹھک گیا ہے' تجویز کی صورت میں خالصتاً ملک وملت اور خود آپ کی خیر خواہی کے جذبے کے تحت آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں اور وہ تجویز یہ ہے:۔

(۱) ملک میں ایک انتخاب فوراً ہو ـــــ یعنی فروری یا مارچ ۱۹۸۳ء میں ـــــ لیکن یہ انتخاب انتقالِ اقتدار یا تشکیل حکومت کے لئے نہ ہو بلکہ ایک ''منتخب مجلسِ شوریٰ'' یا ''مجلس ملی'' کے لئے ہو ـــــ اس میں حق رائے دہی کی اساس اور حلقہ جات کی تشکیل تو بالکل وہی ہو جس پر فروری ۷۷ء میں انتخابات ہوئے تھے لیکن ہو یہ خالص غیر جماعتی بنیاد (No Party Basis) پر ـــــ!

(۲) اس طرح جو مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملی وجود میں آئے' اس کے سامنے ملک کے آئندہ نظام کے بارے میں جو تجاویز آپ کے سامنے ہیں' وہ آپ رکھیں اور طرزِ انتخاب وغیرہ کے ضمن میں جو باتیں دوسرے لوگوں کے سامنے ہیں' انہیں وہ رکھیں ـــــ اور ان تمام امور پر یہ مجلس ایک سال کے عرصے کے اندر اندر فیصلہ دے' جو نہ صرف یہ کہ دو تہائی اکثریت پر مبنی ہو بلکہ ہر صوبے سے منتخب شدہ لوگوں کی بھی کم از کم نصف تعداد لازماً اس میں شامل ہو ـــــ!

(۳) اگر یہ مجلس اس مشکل مرحلے کو کامیابی سے سر کر لے اور مطلوبہ اکثریت کے ساتھ نظام تجویز کر دے تو مارشل لاء انتظامیہ تین سے چھ ماہ کے عرصے کے اندر اندر اس کے مطابق' انتقالِ اقتدار اور تشکیل حکومت کے لئے الیکشن کرا دینے کی پابند ہو ـــــ اور اگر وہ مجلس ایک سال کے اندر اندر تفویض کردہ ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو وہ از خود تحلیل (Dissolve) ہو جائے اور پھر تین سے چھ ماہ کے عرصے میں اسی ''مجلسِ شوریٰ'' یا

''مجلسِ ملی'' کا انتخاب دوبارہ ہو اور جب تک مطلوبہ اتفاق رائے (Consensus) حاصل نہ ہو' یہ سلسلہ جاری رہے ـــــ اور اس دوران میں فوج کے لئے نہ صرف اخلاقاً جائز بلکہ ملک وقوم کی حفاظت وسالمیت کے اعتبار سے لازم سمجھا جائے کہ وہ Care Taker کی حیثیت سے کاروبارِ حکومت چلاتی رہے ـــــ!

اس تجویز کے محاسن یا روشن پہلوؤں پر گفتگو کو میں اس لئے تحصیل حاصل سمجھتا ہوں کہ وہ اظہر من الشمس ہیں ـــــ البتہ اس کے خلاف اس واحد دلیل کا جائزہ لینا لازمی ہے جو بادی النظر میں بہت قوی معلوم ہوتی ہے یعنی کہ کہیں مجوزہ مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملی ایک بھرپور ''دستوریہ'' (Full-Fledged Constituent Assembly) کا کردار اختیار نہ کر لے اور دستور ملکی کے خطرناک صندوقچے (Pandoras Box) کو کھول کر ان نازک اور پیچیدہ مسائل کو از سرِ نو نزاعی نہ بنا دے جو ۱۹۷۳ء کے دستور میں طے شدہ ہیں۔

میرے نزدیک یہ دلیل بہت کمزور اور بودی ہے' اس لئے کہ مسائل کا حل ان سے اعراض اور صرفِ نظر سے نہیں بلکہ مقابلے اور مواجہے (یعنی Face کرنے) ہی سے ممکن ہوتا ہے ـــــ پاکستان کا قیام محض ایک وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ ہندوؤں ایسی منظم اور بیدار قوم اور وقت کی حکمران طاقت (لیبر گورنمنٹ) کی متفقہ خواہشات کے علی الرغم پاکستان صرف اس لئے قائم ہوا کہ ایک طرف مسلمانانِ ہند کو ہندوؤں کے انتقامی طرزِ عمل کے اندیشے کا منفی محرک موجود تھا تو دوسری طرف احیائے اسلام کا مثبت جذبہ بھی موجود تھا جسے قائداعظم مرحوم کے مسلسل اعلانات نے ایک نہایت قوی امید کی صورت دے دی تھی ـــــ اور تیسری طرف ارادۂ الٰہی اور مشیت ایزدی بھی شامل حال تھی جو اصل فیصلہ کن عامل (Factor) ہے ـــــ اور یہ تینوں عوامل اب بھی پوری قوت وشدت کے ساتھ موجود ہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ان کو بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے (یعنی Mobilise کیا جائے!) اور یہ کام ان شاء اللہ اس مجوزہ مجلس شوریٰ یا مجلس ملی اور اس کے لئے منعقد ہونے والے انتخابات کے ذریعہ ہو جائے گا۔ اس لئے کہ چونکہ یہ انتخابات نہ تشکیل حکومت کے لئے ہوں گے اور نہ ہی جماعتی بنیاد (Party Basis) پر ہوں گے لہٰذا اس میں سیاسی حلقوں اور جماعتوں کی صف بندی (Polarisation) خالصتاً اس اساس پر ہوگی کہ کون محبِ دین اور محبِ وطن ہے ـــــ اور کون لادینیت' الحاد' مادہ پرستی' اباحیت اور علاقائی ونسانی قومیتوں کا عاشق اور

پرستار ـــــ!!ـــــ اور مجھے یقین ہے کہ اگر تقسیم اس واضح اساس پر ہو تو ان شاء اللہ فیصلہ کن فتح محبِ اسلام اور محبِ پاکستان قوتوں کو حاصل ہو گی۔ (جیسے کہ اکثر مبصرین اور تجزیہ نگار حضرات نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد کہا تھا کہ وہاں اگر لوگوں کے سامنے اصل مسئلہ یہ رکھا جاتا کہ ''پاکستان'' کے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا اس سے علیحدہ ہونا؟ ـــــ تو وہاں کے عوام کی غالب اکثریت لامحالہ ''متحدہ پاکستان'' کے حق میں رائے دیتی!) مجھے اس تجزیہ سے کامل اتفاق ہے ـــــ اور مجھے یقین واثق ہے کہ میری تجویز پر عمل درآمد کے نتیجے میں ان شاء اللہ العزیز ''تحریک پاکستان'' کے ازسرِنو احیاء کا وہ مقصد باحسن وجوہ حاصل ہو جائے گا جس کے لئے آپ ہر سال ''یوم پاکستان'' ـــــ ''یوم اقبال'' اور ''عید میلاد النبیؐ'' منانے کے ضمن میں کروڑوں روپے صرف کر رہے ہیں۔ (جو معاف فرمائیے اکثر و بیشتر ضیاع محض ہے۔!)

میں اپنی اس تجویز اور اس کی افادیت پر بحمد اللہ عقلی اور نظری اعتبار سے پوری طرح مطمئن ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا ایک وجدانی احساس بھی ہے' جسے آپ پر ظاہر کر دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا ـــــ اور وہ یہ کہ قرآن حکیم میں سورۃ المائدہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ مصر کے طویل دورِ غلامی کے نتیجے میں ان میں سیرت و کردار کا جو زوال و اضمحلال پیدا ہو گیا تھا وہ چالیس برس کی صحرانوردی کے بعد رفع ہو سکا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں بھی آزادی کے بعد بے یقینی اور بے مقصدیت کے صحرائے تیہہ میں بھٹکتے ہوئے چالیس برس کے لگ بھگ ہونے کو آئے ہیں تو کیا عجب کہ اب اس بھٹکے ہوئے راہی کو منزل کا سراغ مل ہی جائے۔!! اور مملکتِ خداداد پاکستان عالمی سطح پر احیاء اسلام اور غلبۂ دین کے انقلاب آفریں عمل کے ضمن میں اپنے مثبت کردار کو ادا کرنے کے لئے کمربستہ اور سرگرمِ عمل ہو ہی جائے۔!!! وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○

بصورت دیگر مجھے شدید اندیشہ ہے کہ ہمارا ملک تدریجاً جس محاذ آرائی کی جانب بڑھ رہا ہے اس کے دھماکہ خیز صورت اختیار کرنے میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی اور آپ نے تاحال امریکہ اور روس کے مابین جو نازک توازن برقرار رکھا تھا' اس میں آپ کے حالیہ دورۂ امریکہ کے بعد جو تبدیلی آئی ہے اس کی بنا پر روس اور بھارت دونوں ایسی کسی بھی صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے ـــــ اور اس کا نتیجہ ملک و ملت کے حق میں کسی طرح بھی خوش آئند نہ ہو گا۔ فقط والسلام مع الاکرام

۲۷ دسمبر ۸۲ء مطابق ۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

تعلیم نسواں' سرسید احمد خان اور علامہ اقبال

محترم خالد اسحٰق بیرسٹر کے نام جناب موسیٰ بھٹو کے ایک خط سے اقتباس

عورت اور مرد زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں' ان دونوں کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے۔ اگر گاڑی کو بناتے وقت دونوں پہیوں کو اپنے مقامات پر سیٹ کرنے کی بجائے ایک ہی جگہ سیٹ کیا جائے تو خوبصورت گاڑی معطل ہو کر رہ جائے گی اور گاڑی رواں دواں ہونے سے انکار کر دے گی۔ عورت و مرد کے درمیان مساوات کے نظریہ کی بنا پر عورت کی عملی زندگی میں شرکت اور جدید اعلیٰ تعلیم سے اس کی بہرہ یابی کا معاملہ بھی دراصل عورت کو مرد کے دائرہ میں شامل کر کے زندگی کی رواں دواں گاڑی معطل کرنے کے مترادف ہے۔ مغرب میں اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوا ہے وہ ہمارے لئے عبرت کا موجب ہے۔ عورت کی اعلیٰ تعلیم کی وجہ سے وہاں اس کے لئے ملازمت کے مواقع کھل گئے' اس کی جنسی آزادی کی تحریک تو وہاں پہلے سے مضبوط تھی' چنانچہ ملازمت کی وجہ سے معاشی اعتبار سے اسے مرد کی ضرورت باقی نہ رہی' اور معاشی خود اختیاری کی وجہ سے وہاں خاندانی نظام کی تباہی کا عمل شروع ہوا۔

راقم کی نظر میں اسلام عورت کے لئے اس طرح کی تعلیم کا حامی ہے جس سے اس کے لئے گھریلو نظام کو بہتر طور پر چلانے' بچوں کی اچھی طرح تربیت کرنے اور خاندان کو مستحکم کرنے اور تقویٰ' شرافت اور عزت و عصمت کا حامل ہونے اور شوہر کا معاون و مددگار بننے میں مدد مل سکے۔ ظاہر ہے عورت میں یہ استعداد اور یہ اوصاف دینی تعلیم کے ذریعہ ہی پیدا ہو سکتے ہیں۔

جدید اعلیٰ تعلیم نہ صرف یہ کہ عورت کو مرد کے دائرہ کار میں لا کر بچوں کی تربیت' خاندان کے استحکام اور نسوانی ذمہ داریوں سے فرار اور دوری کا موجب بن رہی ہے' بلکہ مرد و عورت کے درمیان مساوات' آزادی کی تحریک کی فروغ پذیری اور شرم و حیا اور عزت و عصمت کے خاتمہ کا بھی سبب بن رہی ہے۔ اس طرح جدید اعلیٰ تعلیم اسلامی تہذیب کے تسلسل کے خاتمہ اور مسلم معاشرہ کی اخلاقی روایات کی تباہی کا موجب ہو رہی ہے۔ عورت کی جدید تعلیم کے انہی متوقع نتائج کی بنا پر سرسید احمد خان اور علامہ اقبال نے اس تعلیم کی مخالفت کی تھی۔ سرسید

احمد خان فرماتے ہیں:

''میری یہ خواہش نہیں کہ تم اُن مقدس کتابوں کے بدلے جو تمہاری دادیاں' نانیاں پڑھتی آئی ہیں' اس زمانہ کی مروجہ نامبارک کتابوں کو پڑھنا اختیار کرو' جو اِس زمانہ میں پھیلی جارہی ہیں۔ تمہارا فرض تھا کہ اپنے ایمان واسلام سے واقف ہو' اس کی نیکی اور خدا کی عبادت کی خوبی کو تم جانو' اخلاق میں نیکی اور نیک دلی' رحم ومحبت کی قدر سمجھو' گھر کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھو' اپنے گھر کی مالک رہو' اس پر مثل شہزادی کے حکومت کرو اور مثل ایک لائق وزیرزادی کے منتظم رہو۔ اپنی اولاد کی پرورش کرو' اپنی لڑکیوں کو تعلیم دے کر اپنا سا بناؤ' خدا ترسی اور اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہمدردی اپنا طریقہ رکھو۔ یہ تعلیم نہایت عمدگی سے ان کتابوں سے حاصل ہوتی ہے جو تمہاری دادیاں نانیاں پڑھتی تھیں۔ جیسی وہ اس زمانہ میں مفید تھیں' ویسی ہی اس زمانہ میں بھی مفید ہیں' پس اس زمانہ کی نامفید اور نامبارک کتابوں کی تم کو کیا ضرورت ہے''۔

(لاہور میں ۲۸ فروری ۱۸۸۴ء کو پنجاب کی مسلم خواتین کو خطاب)

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

''اپنی قوم کی خصوصی نوعیت' اسلامی تعلیم اور اس موضوع پر عضویات اور حیاتیات کے انکشافات سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ مسلم خواتین کو وہی پوزیشن برقرار رکھنی چاہئے جو اسلام نے ان کے لئے مختص کی ہے اور ان کے لئے جو پوزیشن مختص کی گئی ہے اسے ہی ان کی تعلیم کی نوعیت کا تعین کرنا چاہئے۔

میں نے اوپر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہماری قوم کے استحکام کا انحصار مذہب اور اسلامی ثقافت پر ہماری گرفت پر ہے۔ عورت ہی ہمارے مذہبی تخیل کی اہم امانت دار ہے۔ لہٰذا قومی زندگی میں تسلسل کے مفاد کی غرض سے یہ اشد ضروری ہے کہ اولاً تو اسے عمدہ قسم کی دینی تعلیم دی جائے' پھر اُس میں مسلم تاریخ کے عمومی علم کا اضافہ کیا جائے اور گھریلو معیشت اور حفظانِ صحت کا بھی۔ اس سے وہ اس قابل ہو جائے گی کہ وہ روشن خیالی سے اپنے شوہر کا ساتھ دے سکے اور کامیابی سے اپنے مادرانہ فرائض سرانجام دے سکے' جو میرے خیال میں عورت کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ وہ تمام مضامین جن میں عورت کا غیر عورت اور غیر مسلم بنا دینے کا رجحان ہو' کمالِ احتیاط سے اس کی تعلیم سے خارج کر دینے چاہئیں' لیکن ہمارے ماہرین تعلیم ابھی تک تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ وہ ہماری لڑکیوں کے لئے ایک قطعی تعلیمی نصاب تیار نہیں کر سکے اور ان میں سے بعض بدقسمتی سے مغربی تصورات کی

چمک اور چکاچوند سے اس درجہ خیرہ ہو چکے ہیں کہ وہ اسلام جو خالصتاً غیر مرئی خیال یعنی مذہب سے قومیت کی تشکیل کرتا ہے اور مغربیت جو مقصدی اساس پر قومیت کی تعمیر کرتی ہے' ان دونوں میں فرق محسوس نہیں کرتے''۔

عورتوں کی جدید اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ میں سرسید احمد خان اور علامہ اقبال کا جو موقف ہے' وہ ایسا موقف ہے جو آج سے سوسوا سو سال پہلے تک مسلم معاشرہ کا متفقہ موقف تھا۔ آج سے سوسوا سو سال پہلے مسلم معاشرہ کا کوئی فرد یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی بہنیں اور بیٹیاں گھروں سے نکل کر مخلوط تعلیمی اداروں اور دفتروں کو اپنا ٹھکانہ بنائیں گی اور آزادیٔ نسواں کی تحریک کی علمبردار بن کر مرد و عورت کے مساوات کے حقوق کی راہ پر گامزن ہوں گی۔

اس وقت اس سلسلہ میں جو صورتِ حال ہے' وہ یہ ہے کہ کسی خوشحال فرد اور دانشور کے لئے یہ فرض کرنا ہی سوہانِ روح ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے جدید تعلیمی اداروں میں داخل کرنے پر نظر ثانی کریں اور ان کی دینی تعلیم کی فکر کریں۔ پچھلے سو سال میں جو تبدیلی آئی ہے وہ حیرت انگیز تبدیلی ہے اور قوم کے ایک تہذیب سے دوسری تہذیب کی طرف سفر کی ہولناک کہانی ہے۔

گرامی قدر! عورت کی تعلیم اور آزادی کے حوالے سے اس تفصیل کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آپ کے ہاں منعقدہ دانشوروں کی ہفتہ وار مجلس میں یہ موضوع اکثر زیر بحث آتا ہے اور دانشور اس سلسلہ میں مولوی کے موقف کو دقیانوسی قرار دیتے ہیں۔

موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس سلسلہ میں مزید کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ طوالت کے لئے معاف فرمائیں گے۔

ممتاز مؤرخ اور فلسفی ٹائن بی نے اپنی کتاب "The World, The West" جو چھٹی دہائی کے شروع میں منظر عام پر آئی ہے' اس میں حاکم مصر محمد علی پاشا کے زمانہ کا واقعہ لکھا ہے کہ پاشا نے اسکندریہ میں بحری مستقر بنانا چاہا اور افسران کے لئے مکانات بھی تعمیر کروا دیئے' کچھ عرصہ بعد اُن یورپی انجینئروں کی درخواست پر اُن کی بیویاں بھی آ گئیں اور رفتہ رفتہ انہوں نے ایک زچہ خانہ بھی تعمیر کیا' یہ ۱۸۳۰ء کی بات ہے' اس زچہ خانہ میں مصر کی وہ خواتین بھی جانے لگیں جن کا قدم ابھی گھر سے باہر ہی نہیں پڑا تھا۔ اور یہ وہ خواتین تھیں جو مصر کے چوٹی کے خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس واقعہ سے مؤرخ ٹائن بی یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ''جب تم ایک تہذیب کو دعوت دیتے ہو تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس تہذیب کے کچھ اجزاء تو اختیار کر لو اور کچھ کو مسترد کر دو' بلکہ تمہیں رفتہ رفتہ اس کے سارے لوازمات کو اختیار کرنا پڑے

گا۔ایک سبب سے دوسرا سبب اور ایک چیز سے دوسری چیز نکلتی ہی چلی جائے گی' یہاں تک کہ تم غیر ملکی تہذیب میں پوری طرح رنگ دیئے جاؤ گے''۔

ٹائن بی کا یہ تجزیہ بالکل صحیح ہے۔آج ہم ان کے اس تجزیہ کی زندہ مثال ہیں کہ سوسوا سو سال پہلے مغربی تہذیب کے کچھ اجزاء کو ہم نے بادلِ نخواستہ اختیار کیا تھا' لیکن آج ہماری معاشرت' وضع قطع' لباس' آداب' اخلاق اور فکر وغیرہ اس تہذیب کے سانچے میں ڈھل گئی ہیں اور تہذیب جدید کی دلدل سے نکلنے کی بظاہر کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی' اس لئے کہ تہذیب جدید نے ہمارے اہل علم و دانش کے ذہن ہی مسخ کر دیئے ہیں۔مغربی فکر سے بلند ہو کر ان کے لئے سوچنا ہی دشوار تر ہو گیا ہے۔اگر چہ ضرورت اس بات کی تھی کہ عورت کے لئے اس کے شایانِ شان ایسا مختصر نصاب وضع کیا جاتا جس میں قرآن و سنت کی تعلیم کا عطر موجود ہوتا' ساتھ ساتھ اس میں ایک حد تک جدیدیت کو سمجھنے کی صلاحیت بھی پیدا ہوتی' لیکن جدیدیت سے مرعوب ہمارے حکمرانوں اور ماہرینِ تعلیم نے جب ایسا نہ ہونے دیا تو اب معاملہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔اب جو عورت گھر سے باہر نکل آئی ہے اور جدیدیت پر فریفتہ ہو گئی ہے تو ظاہر ہے اب بیک وقت پہلے مرحلہ کے انتظامات نہیں ہو سکتے۔فی الوقت اگر اتنا ہو سکے تو بھی غنیمت ہے کہ عورت کو ہر ممکن حد تک اسلامی تعلیمات سے آشنا کرنے کی کوشش کی جائے۔ (بشکریہ: ماہنامہ بیداری' حیدر آباد' مارچ ۲۰۰۴ء)

بقیہ : منہاج المسلم

''پھر ہر نماز کے لئے وضو کرو۔''

(۳) جو شخص میت کو غسل دے یا اسے اٹھائے۔حدیث نبویؐ ہے:

((مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ)) (۱)

''جو شخص میت کو غسل دے وہ غسل کرے اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے۔''

یہ حدیث چونکہ ضعیف ہے اس لئے علمائے کرام نے وضو کو واجب قرار نہیں دیا۔البتہ احتیاطاً وضو کے استحباب کا فتویٰ دیا ہے۔

---

(۲) سنن ابی داؤد' کتاب الجنائز' باب فی الغسل من غسل المیت۔ وسنن ابن ماجہ' کتاب الجنائز' باب ما جاء فی غسل المیت (صرف پہلا جملہ)

قسط وار سلسلہ (12)

ایتھوپیا (حبشہ)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

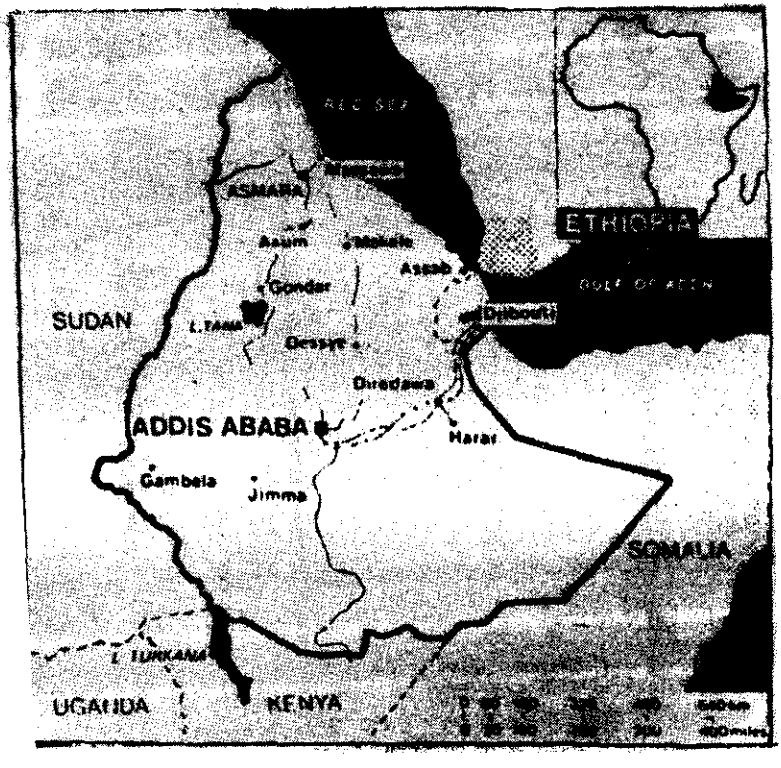

ایتھوپیا (حبشہ): ایک نظر میں

سرکاری نام :فیڈرل ڈیموکریٹک ری پبلک آف ایتھوپیا
صدر: گرماوولڈے جیورجس (2001ء)
وزیراعظم: میلس زناوی (1995ء)
رقبہ : 11 لاکھ 27 ہزار 127 مربع کلو میٹر (4 لاکھ 35 ہزار 184 مربع میل)
آبادی: 6 کروڑ 65 لاکھ سے کچھ زیادہ۔
شرح افزائش آبادی: 2.29 فی صد سالانہ
شرح پیدائش: 29 فی ہزار
شرح اموات اطفال: 104 فی ہزار
گنجانی آبادی: 153 فی مربع میل
دارالحکومت: عدیس ابابا
کرنسی: بر (=100 سینٹ)
زبانیں : امری (سرکاری)' انگریزی' اور منگا۔ 70 سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔
نسلیں : صومالی' امرا' اورومو' شنکیلا' گوریجی' افاری اور دیگر
مذاہب : اسلام (50 فیصد)' اورتھوڈوکس عیسائی (35 فیصد)' لامذہب (12 فیصد) اور دیگر
شرح خواندگی: 35 فیصد

مجموعی قومی آمدنی : 6 4 ارب ڈالر (اندازہ 2001ء)
آمدنی فی کس: 700 ڈالر سالانہ
حقیقی شرح افزائش: 7.3 فیصد سالانہ
افراطِ زر: 6.8 فیصد
قابل کاشت رقبہ: 12 فیصد
زراعت : گندم' کافی' تمباکو' جو' مکئی' کپاس' چینی' آلو' پھل' سبزیاں
معدنیات: کوئلہ' لوہا' پلاٹینیم' سونا' چاندی' ٹین' پوٹاش' تانبا' گندھک' سیمنٹ' نمک' ابرق
صنعت و حرفت : پارچہ بافی' سیمنٹ' جوتے' خوراک' چمڑا سازی' فرنیچر' کاغذ' ملبوسات
برآمدات: 442 ملین ڈالر۔ کافی' ہڈیاں اور کھالیں' سوتی کپڑا' چمڑے کی مصنوعات' تیل کے بیج
درآمدات: 1.54 ارب ڈالر۔ پٹرولیم اور اس کی مصنوعات' مشینری' موٹر گاڑیاں' ملبوسات' اناج اور دالیں۔

ایتھوپیا یا ابی سینیا' ایک ہی ملک کے' مختلف وقتوں میں' تین نام رہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار سال قبل حضرت سلیمان علیہ السلام کے بڑے بیٹے نے' جو سبا کی ملکہ کے بطن سے تھا' اس ملک کی بنیاد رکھی (''سبا'' کو مقامی زبان میں ایتھوپیا کہا جاتا ہے) لیکن تاریخی دستاویزوں سے صرف پہلی صدی عیسوی تک حبشہ کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے۔ چوتھی صدی میں اس کے حکمران نے قبطی مسیحیت اختیار کی۔ یہودیت غالباً یمن سے آئی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے سے لے کر حبشہ کے عالم اسلام سے گہرے روابط رہے ہیں۔ اگرچہ یہاں ہمیشہ عیسائیوں کی اکثریت رہی ہے' لیکن اس میں مسلم آبادی بھی ہے جو بڑی اہم ہے۔ بلکہ اب کچھ عرصے سے یہاں کی آبادی کا نصف مسلمانوں پر مشتمل ہے جو اس خطے کی سیاست میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں' اور اسی وجہ سے ایتھوپیا اسلامی سربراہی کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) کا مستقل رکن ہے۔

تاریخی پس منظر

تاریخ اسلام میں آنحضرت ﷺ اور نجاشی بادشاہ حبشہ کے درمیان دوستانہ مراسم کا ذکر موجود ہے۔ نجاشی ہی نے مہاجرین مکہ کو پناہ دی تھی' بلکہ تواریخ میں یہاں تک مذکور ہے کہ نجاشی کی رحلت پر آنحضور ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی تھی جو اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس علاقے میں اسلام کی اشاعت زیادہ تر اس وقت ہوئی جب اکسومی ریاست اپنے دورِ زوال میں تھی۔ ایرانی فوج بحیرۂ قلزم اور اس کے تجارتی راستوں کو درہم برہم کر چکی تھی۔ مسلمانوں کی مملکت میں پورا عرب اور شمالی افریقہ تک شامل ہو چکے تھے اور حبشہ اپنے عیسوی سرچشمے یعنی اسکندریہ کی بطریقیت سے کم از کم وقتی طور پر منقطع ہو چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام عیسائی سلطنت کے دروازہ پر دستک دے چکا تھا اور جزائر دہلک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ابی سینیا کی علیحدگی کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ تجارت اور فتوحات کے سلسلے میں ان کی سرگرمیاں ایک قصۂ پارینہ بن چکی تھیں اور اسلام کی زبردست اشاعت کے مقابلے میں یہاں کے لوگوں کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ رہا تھا کہ وہ اپنے ناقابل تسخیر پہاڑی قلعوں میں پڑے رہیں۔

جن دنوں حبشہ کے عین قلب میں اندرونی یورشیں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکی تھیں (دسویں صدی عیسوی کے اختتام پر) مسلمان اس کی سرحدوں پر چھاتے جا رہے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے اس حسن سلوک کے پیش نظر جو اہل حبشہ اور اس کے بادشاہ نے آنحضور ﷺ اور ابتدائی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ روا رکھا تھا' اس علاقے کو اپنے دائرہ فتوحات میں نہ لیا۔ آخر کار اندرونی یورشوں کو بھی دبا دیا گیا۔ مسیحیت کی اشاعت بحال ہو گئی اور جو علاقے ہاتھ سے نکل چکے تھے' انہیں واپس لے لیا گیا' لیکن سرحدوں پر جو یورشیں ہو چکی تھیں' ان کے اثرات نہ مٹائے جا سکے' خصوصاً ساحلی علاقوں نے جو

نقصانات برداشت کئے تھے' وہ ناقابل تلافی ثابت ہوئے۔ زیریں علاقوں میں اسلام کی اشاعت بڑی سرعت سے جاری رہی۔ مسلم طاقتیں یکے بعد دیگرے بحیرۂ قلزم کے افریقی ساحلی علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کرتی رہیں۔ ان ساحلوں پر ان کا اقتدار ونفوذ یکساں نہ تھا۔ اسلام کا نفوذ نہ صرف ان ساحلی علاقوں میں ہو رہا تھا' جہاں سے حکومت حبشہ کا اقتدار مٹ چکا تھا' بلکہ وہ خانہ بدوش بھی اس کے زیر اثر آ رہے تھے جو سمندر اور مشرقی ڈھلانوں کے درمیانی علاقوں میں آباد ہوتے اور آتے جاتے رہتے تھے۔ بالآخر اسلام مشرقی شوآ اور مملکت سدامہ تک بھی پہنچ گیا۔ یہاں کے عربی کتبے اور مسلمان بزرگوں کے مزار ان علاقوں میں اسلام کی اشاعت کا پتا دیتے ہیں۔

وسطی پہاڑی علاقے کی عیسائی ریاستوں اور مسلم سلطنتوں کے درمیان ایک طویل اور مہلک جنگ' جو حبشی سطح مرتفع کی پوری مشرقی اور جنوبی سرحدوں پر پھیل چکی تھی' تاریخ حبشہ کے چودھویں صدی عیسوی سے لے کر سولہویں صدی عیسوی تک کے دور میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی جنوبی مسلم ریاستیں اور انتہائی مغربی مسلم ریاست ہدیہ عیسائی شہنشاہ امدہ سیون (1314ء تا 1344ء) کے خلاف صف آرا تھیں۔ ان کا علاقہ اس عیسائی شہنشاہ کے مقبوضات سے کہیں بڑا تھا' لیکن شہنشاہ کو یہ برتری حاصل تھی کہ اس کا علاقہ جغرافیائی اعتبار سے ایک متصل وحدت تھا' جبکہ مسلمانوں کے زیر نگیں علاقے منتشر تھے اور ان علاقوں کے درمیان نہ کوئی مناسب مواصلاتی انتظام تھا نہ کوئی سیاسی ہم آہنگی۔ امدہ سیون نے پہل کی اور مسلمانوں کی ریاستوں افات اور ہدیہ پر حملہ کر دیا اور دونوں کو شکست دی۔ اس طرح دریائے اوش تک پوری سطح مرتفع پر امدہ کا قبضہ ہو گیا۔ ہر چند کہ مسلم ماتحت ریاستوں نے اپنے علاقے بحال کرانے کے لئے بڑی قوت استعمال کی' لیکن کچھ وقت تک کے لئے مسلمانوں کی یورشوں کا زور امدہ سیون نے توڑ ڈالا۔ اس کی فتح سے بہت سے لوگ عیسائی ہو گئے۔ اس زمانے میں بہت سی خانقاہیں اور گرجے قائم کئے گئے اور خود شہنشاہ امدہ سیون کا نام بھی مذہبی پیشواؤں کی فہرست میں درج کر لیا گیا۔

اس اثنا میں اہل حبشہ نے محسوس کیا کہ وہ اپنے قریبی پڑوسیوں' یعنی بحیرۂ قلزم کے ساحل پر مضبوط قلعے رکھنے والے مسلمانوں سے مستقل آویزش کی حکمت عملی برقرار نہیں رکھ سکتے' اس لئے انہوں نے پرتگیزی بحریہ کی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی' تاکہ مسلمانوں کو بحیرۂ قلزم کے علاقے سے نکال باہر کیا جائے' تاہم پرتگیزی مشن کی آمد میں بہت تاخیر ہو گئی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مشن اس ملک میں 1520ء تک نہ پہنچا' اور اس وقت تک ملک کے عام حالات میں بڑی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔

اندرونی سازشوں اور شورشوں کی وجہ سے سلطنت ادل میں بحران پیدا ہو چکا تھا۔ اس وقت کی ایک شکست سے حکمران خاندان کے وقار کو شدید ٹھیس پہنچی' جس کے اقتدار کو اب امراء اور فوجی قائد مسلسل للکار رہے تھے۔ سلطان ابوبکر نے اپنا دارالحکومت ہرار میں منتقل کر لیا' شاید اس لئے کہ وہ اپنے

آپ کو ان جرنیلوں کے دباؤ سے آزاد کرانا چاہتا تھا' جنہیں زیادہ تر صومالی عوام کی حمایت حاصل تھی۔ ان فوجی قائدین کا سردار احمد بن ابراہیم جلد ہی حبشہ میں مسلم مقبوضات کا مالک بن گیا اور اس نے امام کا لقب اختیار کر لیا۔ سولہویں صدی عیسوی کی مسلم فتوحات میں امام احمد مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔

امام احمد نے پہلے ادل میں اپنی طاقت کو مستحکم کیا۔ پھر دنا قلہ اور صومالیوں کو ایک زبردست اور طاقتور فوج میں منظم کیا۔ دور دراز اور دشوار گزار پہاڑی علاقوں پر چڑھائی کرنے سے پہلے اس نے اپنی لشکر کشی میدانوں اور ترائی کے علاقوں تک محدود رکھی' لیکن 1529ء میں یعنی ناکام پرتگیزی مشن کے واپس جانے کے تین سال بعد اس نے حبشی شہنشاہ لبنہ ڈنگل پر حملہ کیا اور اسے شکست فاش دی۔ تاہم وہ اس فتح سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا' کیونکہ اس کی فوجوں میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ فتح اور مال غنیمت کے نشے میں مدہوش ہو گئیں۔ دو سال کی تیاری کے بعد کہیں جا کر اس نے وہ حملہ شروع کیا جس سے وہ تقریباً پورے حبشہ پر قابض ہو گیا۔ 1543ء میں شہنشاہ کلاڈیس کی جنگ میں اسے قتل کر دیا گیا۔

اگرچہ اس کے بعد بھی کچھ جھڑپیں ہوتی رہیں' لیکن امام احمد کی موت کے بعد حبشہ کے لئے مسلمانوں کی طرف سے کوئی خاص خطرہ نہ رہا۔ یورپ کی ایک عیسائی مملکت کی فوج کی مدد سے حبشیوں نے آخر کار اپنی قدیم عیسائی سلطنت کو بچا لیا' لیکن یہ نجات بہت دیر بعد حاصل ہوئی۔ حبشہ بہت تباہ حال ہو چکا تھا۔ اس کے بہت سے کلیسا اور خانقاہیں معدوم اور اس کے پادری طاقت سے محروم ہو چکے تھے۔

تحریکِ آزادی

جب مصر میں خدیو اسماعیل کی حکومت تھی تو اس نے حبشہ کی فتح کے منصوبے بنائے۔ چنانچہ 1875ء میں مصری فوج نے اس پر تین اطراف سے حملہ کیا' لیکن ناکامی ہوئی۔ اس شکست سے مصریوں کو بہت نقصان پہنچا' مگر انہوں نے فوراً ایک اور مہم تیار کی' جس کی قیادت خدیو کے بیٹے نے کی' جس میں تقریباً بیس ہزار مسلح افراد شامل تھے۔ اس مرتبہ شہنشاہ نے صلیبیوں کی فوج منظم کی۔ 1876ء میں دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ مصریوں نے انہیں شکست فاش دی۔

اہل حبشہ اور مسلمانوں کی آخری لڑائی 1888ء میں اس وقت ہوئی جب مہدی سوڈانی کی ریاست کے قیام کے تھوڑے عرصہ بعد سوڈان اور حبشہ میں عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ مہدیوں کا ایک بڑا دستہ مغربی حبشہ میں داخل ہو گیا جس نے علاقہ گوندار کے کچھ حصے جلا دیئے اور سرحد پر پڑاؤ ڈال دیا۔ شہنشاہ جون نے ایک گھمسان کی جنگ میں مہدیوں کا مقابلہ کیا اور وہ انہیں شکست دینے ہی والا تھا کہ آخری لمحوں میں اسے مہلک زخم آ گئے' جس کے بعد اس کی فوج پسپا ہو گئی (1889ء)۔

1916ء۔ عیسائی شہنشاہ مینیلک کا پوتا لج یاشو اسلام قبول کر لیتا ہے' اس لئے اسے تاج و تخت

سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس کی جگہ مینیلک کی بیٹی جودتھ کو ایتھوپیا کی ملکہ بنایا جاتا ہے اور اس کے چچیرے بھائی راس طفاری کو جانشین بنایا جاتا ہے۔

1930ء۔ ملکہ جودتھ کی وفات کے بعد راس طفاری شہنشاہ بنتا ہے۔ وہ اپنا لقب ہیل سلاسی (تثلیث کی طاقت والا) رکھتا ہے اور پہلا آئین نافذ کرتا ہے۔

1935ء۔ اٹلی ایتھوپیا پر قبضہ کرتا ہے۔ ہیل سلاسی لیگ آف نیشنز سے تحفظ کی اپیل کرتا ہے۔

1941ء۔ دوسری جنگ عظیم میں اٹلی کی شکست کے بعد ہیل سلاسی برطانیہ کی مدد سے فاتحانہ عدیس ابابا میں داخل ہوتا ہے۔

1952ء۔ اریٹیریا اور ایتھوپیا مل کر آپس میں فیڈریشن بناتے ہیں۔ ادارہ اقوام متحدہ اس کی توثیق کرتا ہے۔

1974ء۔ فوجی بغاوت اور عام ہڑتالوں کی وجہ سے 12 ستمبر کو ہیل سلاسی کو معزول اور آئین کو منسوخ کر دیا گیا۔ ایتھوپیا کو مشترکہ فوجی کونسل کے تحت اشتراکی ملک قرار دیا گیا۔ امریکہ نے امداد بند کر دی اور کیوبا اور روس نے امداد شروع کر دی۔

1975ء۔ ہیل سلاسی کا انتقال۔

1977ء۔ لیفٹیننٹ کرنل ہیل مریام کو صدر مملکت بنایا گیا جو اپنے مربی سوویت یونین کے خاتمے یعنی 1991ء تک اس عہدے پر فائز رہا۔

1991ء۔ انقلابی جمہوری فرنٹ کے رضا کاروں نے دارالحکومت عدیس ابابا پر قبضہ کر لیا اور مئی میں علیحدگی پسند گوریلا تنظیم ''اریٹیریا لبریشن فرنٹ'' نے اریٹیریا پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ دونوں گروپوں میں ایک معاہدہ ہوا کہ اریٹیریا کی آزادی کے مسئلے پر اقوام متحدہ کی نگرانی میں ریفرنڈم کرایا جائے۔

1993ء۔ اپریل میں ریفرنڈم ہوا جس میں اریٹیریا کی آزادی کے حق میں فیصلہ ہوا' لیکن آزادی کے بعد ایتھوپیا اور اریٹیریا کے درمیان صحیح سرحد بندی پر اختلاف رائے پیدا ہونے کی وجہ سے دوبارہ کشیدگی بڑھ گئی۔ رفتہ رفتہ سرحدی جھڑپوں نے بھرپور جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ بعد میں صومالیہ بھی اریٹیریا کی طرف داری میں شریک ہو گیا۔ لاکھوں لوگ مارے گئے اور تینوں ملکوں کی اقتصادی حالت تباہ ہو گئی۔

1999ء۔ اگست میں امن مذاکرات ہوئے' لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔

2000ء۔ دسمبر میں اقوام متحدہ کی کوششوں سے امن معاہدہ طے پایا۔ اقوام متحدہ نے چار ہزار افراد پر مشتمل گشتی فوج سرحدوں پر تعینات کی۔

2002ء' اپریل۔ اقوام متحدہ کے مقررہ بین الاقوامی کمیشن نے دونوں ملکوں کے درمیان

سرحدوں کی حد بندی کی' جسے دونوں ملکوں نے تسلیم کیا۔

2003ء۔ ایتھوپیا نے اریٹیریا کے ساتھ سرحد بندی کا ایک نیا تنازعہ کھڑا کر دیا جس کے باعث دونوں ملکوں میں کشمکش جاری ہے۔ معاملہ اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل میں زیرغور ہے۔

جغرافیائی خدوخال

ایتھوپیا کے شمال میں بحیرۂ قلزم اور سوڈان' مشرق میں جبوتی اور صومالیہ' جنوب میں کینیا اور مغرب میں سوڈان واقع ہیں۔

ایتھوپیا کا بیشتر وسطی علاقہ پہاڑی ہے' جس کی اوسط بلندی سطح سمندر سے 1800 میٹر سے لے کر 3000 میٹر تک ہے۔ بعض چوٹیوں کی بلندی 4500 میٹر تک ہے۔ سب سے اونچی چوٹی راس دشن ہے جو 4620 میٹر اونچی ہے۔ ایتھوپیا کی شگافی وادی یہاں کی سطح مرتفع کو جنوب مغرب سے شمال مشرق کی طرف دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ ایتھوپیا میں ٹانا جھیل سے نیل ازرق ندی نکلتی ہے جو ملک کے شمال مغربی حصے میں واقع ہے۔ یہ ندی دریائے نیل کی اہم شاخ ہے۔ خرطوم شہر (سوڈان) کے قریب نیل ابیض (سفید نیل) سے ملتی ہے اور شمالی سوڈان سے گزر کر مصر میں داخل ہو جاتی ہے۔

ایتھوپیا کا دارالحکومت عدیس ابابا ہے' جس کی موجودہ آبادی تقریباً بائیس لاکھ ہے۔ یہ شہر سڑکوں کے ذریعے دور دراز علاقوں کے شہروں اور قصبوں سے جڑا ہوا ہے۔ شمال میں ایک ریلوے لائن مساوا بندرگاہ سے اگوردت تک جاتی ہے۔ یہاں ایئرپورٹ بھی ہے۔ دوسرا بڑا شہر اسمارا ہے جس کی آبادی تقریباً چار لاکھ ہے۔ ایتھوپیا کا بہت سا تجارتی سامان جبوتی بندرگاہ سے برآمد کیا جاتا ہے۔

اگرچہ حبشہ کی آدھی آبادی مسلمان ہے' لیکن حبشہ کی سیاست اور معاشرت پر ان کا اثر بہت معمولی ہے' کیونکہ وہ وسطی پہاڑی سطح مرتفع کے علاقوں میں منتشر ہیں۔ حبشہ کی سیاسی اور ثقافتی زندگی عیسائیت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ تاہم شمال مشرقی افریقہ کے نقشے پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ سوائے جنوبی افریقہ کے' جہاں غیر مسلم حکومت ہے' حبشہ ہر سمت سے مسلم ملکوں سے گھرا ہوا ہے۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات واحادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

کون مسلمان ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کا دعویٰ نہ ہو!
لیکن آپؐ اور آپؐ کے لائے ہوئے دین سے سچی محبت کے تقاضے کیا ہیں،
ہم میں اکثر لوگ اس سے بے خبر ہیں!

اس موضوع پر **ڈاکٹر اسرار احمد** کی نہایت جامع تالیف

حُبِّ رسولؐ اور اُس کے تقاضے

خود بھی مطالعہ کیجئے اور دوسروں تک بھی پہنچائیے!

شائع کردہ
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

نہایت کم وقت میں قرآنی عربی سیکھنے کا نادر موقع

20 روزہ رہائشی قرآنی عربی کورس

ہفتہ 24 جولائی تا ہفتہ 14 راگست 2004ء

اخراجات طعام 4,000 روپے کے ڈرافٹ (بنام الفوزا کیڈمی) کے ساتھ رجسٹریشن کیجئے۔

بمقام: الفوزا کیڈمی E-11/4، اسلام آباد
پتہ برائے رابطہ: 317, St.16, F-10/2، اسلام آباد
فون: 051-225-1933 , 051-210-6783
فیکس: 051-210-6366

KHALID TRADERS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

NATIONAL DISTRIBUTOR
NTN
BEARINGS

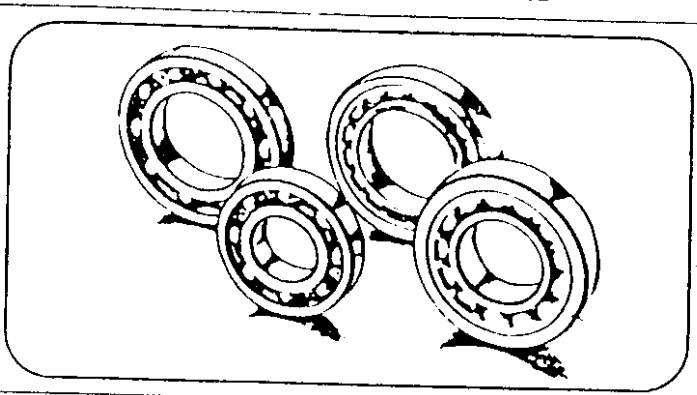

PLEASE CONTACT

Opp K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan
G.P.O. Box # 1178 ***Phones*** : 7732952 - 7730595 ***Fax*** : 7734776 - 7735863
E-mail : ktntn@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : ***SIND BEARING AGENCY,*** 64 A-6,5
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel. 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones: 7639618,7639718,7631818, Fax: (42) 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel. 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING